ذاتی ڈائری

ٹیلی گرام چینل: پاسبان حق 1

مولانا عبیداللہ سندھی

مولانا عبیداللہ سندھی کی مختصر سوانح حیات جو انہوں نے ہندوستان روانہ ہونے سے کچھ عرصہ پیشتر مکہ معظمہ میں خود قلمبند کی۔

مولانا حسین احمد مدنی کا ایک بیان۔ جو مولانا سندھی کی سیرت پر ایک دوست اور رفیق کی بلند پایہ تنقید ہے۔

رولٹ کمیشن کی رپورٹ کا وہ حصہ جو حضرت شیخ الہند رح کی تحریک اور مولانا سندھی کی جد و جہد سے متعلق ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی کا خود نوشت

سفرنامہ کابل

Telegram : t.me/pasbanehaq1



پاسبان حق @ یاھوڈاٹ کام
ٹیلیگرام چینل: t.me/pasbanehaq1
یوٹیوب چینل: pasbanehaq
واٹس ایپ گروپ: 03117284888
فیس بک: Love for ALLAH

Telegram : t.me/pasbanehaq1



ناشر

ادبستان بیرون موچی دروازہ لاہور

اکتوبر ۱۹۴۶ء

بار اول

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

اپریل کو ایریٹو پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپی اور ادبستان لاہور سے شائع ہوئی

محمد رفیق ملک پروپرائیٹر ادبستان

Telegram : t.me/pasbanehaq1

خواجہ محمد خان اسد
ایس حضرو
No. 0210

ٹیلی گرام چینل: پاسبان حق 1

عرضِ مرتّب

لکھتے رہے جنوں میں حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

مولانا عبید اللہ سندھی کا سفر نامۂ کابل ایک تاریخی دستاویز ہے۔ اور ان حالات پر مشتمل ہے۔ جو مولانا رح کو مولانا شیخ الہند رح کی جماعت کے ایک رکن کی حیثیت سے سنہ ۱۹۱۵ء سے لے کر سنہ ۱۹۲۲ء تک کابل میں پیش آئے۔ مولانا شیخ الہند رح کی جماعت کو گذشتہ جنگِ عظیم میں وہی حیثیت حاصل تھی جو موجودہ جنگِ عظیم میں آزاد ہند فوج اور آزاد ہند حکومت کو حاصل رہی ہے جس طرح موجودہ بعد از جنگ سرزمینیاں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دراصل دورانِ جنگ کی باغیانہ جدوجہد کی ہی ترقی یافتہ صورت ہے۔ اسی
تاریخ خلافت ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء کی سیاسی جدوجہد مولانا شیخ الہندؒ کی جماعت
اور ان کے دوسرے شرکاء کار کی سرگرمیوں کی ترقی یافتہ صورت ہی تھی۔ اگر
آزاد ہند فوج یا آزاد ہند حکومت کے کارناموں کا سہرا سبھاش چندر بوس کے
سر پہ ہے تو گذشتہ جنگ عظیم کی سرگرمیوں کا مرکز مولانا شیخ الہندؒ تھے۔

مولانا شیخ الہندؒ کی سرگرمیاں ۱۹۰۵ء سے شروع ہوئی تھیں۔ اور اُس
کے پروگرام کا جزو تھیں جس کو مولانا عبیداللہ سندھی شاہ ولی اللہ کی سیاسی
تحریک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ سرگرمیاں جنگِ عظیم سے پہلے بھی دو
اہداف پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ اندرونِ ہند اور بیرونِ ہند جنگِ عظیم کے دوران
میں انہی سرگرمیوں کو موقع کے مناسب پھیلایا گیا۔ اور ہندوستان
میں داخلی بغاوت اور اس پر خارجی حملہ کے ذریعہ انگریزوں کو یہاں سے
نکالنے کی تدبیر سوچی گئی۔ مولانا شیخ الہندؒ نے دورانِ جنگ میں ان سرگرمیوں
کا ایک مرکز کابل میں قائم کرنا چاہا۔ اور اس کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی
کو مناسب سمجھ کر انہیں کابل جانے کا حکم دیا۔ مولانا عبیداللہ اس سے
پہلے ہندوستانی سرگرمیوں میں مولانا شیخ الہند کا ہاتھ بٹاتے رہے تھے۔
جمعیۃ الانصار کی سرگرمیوں کا انحصار انہی پر تھا۔ غالباً ایک تجربہ کار مدبر کی
طرح مولانا شیخ الہندؒ نے اپنی بیرونِ ہند سرگرمیوں کی تفصیلات سے مولانا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سندھی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ اور مولانا سندھی وہاں کے کام کو کیا
اس کی ضرورت سے بھی قطعاً نابلد تھے۔ ان کے اس عظیم الشان اہم سفر
کا حکم ان کو نہایت بے خبری میں غیر متوقع طور پر ملا۔ میرے عزیز مولوی
عبدالسبوح صاحب فاضل دیوبند کی روایت ہے۔ کہ مولانا سندھیؒ
نے خود ایک مجلس میں بتایا۔ کہ ایک دن مجھے حضرت شیخ الہندؒ نے
فرمایا "عبیداللہ! افغانستان چلو" میں نے پوچھا "حضرت کیوں؟"
اس پر حضرت شیخ الہند خاموش ہو گئے اور زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ دوسرے
دن حضرت نے پھر فرمایا "عبیداللہ افغانستان چلو" میں نے پھر پوچھا
"حضرت کیوں؟" اس پر خاموش تو ہوئے لیکن چہرے سے ناراضگی کے
آثار نہایت ہی نمایاں تھے۔ اب میں بڑا پریشان ہوا اور دعائیں مانگنے
لگا کہ حضرت ایک دفعہ پھر مجھے حکم دیں اور میں بلا چون وچرا تسلیم کر
لوں۔ خوش قسمتی سے تیسرے دن حضرت نے پھر فرمایا "عبیداللہ!
افغانستان چلو" میں بڑا مسرور ہوا اور تعمیل حکم کے لئے فوراً تیار
ہو گیا۔

حضرت شیخ الہند سے رخصت ہو کر مولانا سندھ گئے اور سفر کے
لئے چند رفقاء تیار کئے۔ شیخ عبدالرحیم صاحب سندھی کی بیوی اور لڑکیوں
نے اپنا تمام زیور بیچ کر ان کے لئے زادِ راہ مہیا کیا۔ کوئٹہ تک مولانا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کو پہنچا کر نقدی ان کے حوالے کی۔ اور مولٰنا بلوچستان کے راستے افغانستان پہنچے۔ مولٰنا نے اپنے اس سفر کے حالات بعد میں مکہ معظمہ پہنچ کر قلمبند کئے۔ یہ سفر نامہ مولٰنا کی تشریف آوری ہند سے چند سال پہلے ہندوستان پہنچا۔ اور مولٰنا تسنیم الحق فاضل دیوبند زیارت کاکا صاحب کی مہربانی سے اس کا نسخہ ہمیں مل گیا جسے ناظرین کے سامنے پیش کرنے کا فخر ہم اس وقت حاصل کر رہے ہیں +

سفر نامہ کے ساتھ مقدمہ کے طور پر تین اور چیزیں شامل کی گئی ہیں۔ پہلی چیز مولٰنا سندھی رح کی مختصر سوانح ہے جو انہوں نے ہندوستان روانہ ہونے سے کچھ عرصہ پہلے مکہ معظمہ میں قلمبند کی۔ اور سان کے ہندوستان پہنچنے پر اخبارات میں شائع ہوئی۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد کے کچھ مختصر حالات بطور تتمہ مرتب نے بڑھائے ہیں۔

دوسری چیز مولٰنا حسین احمد مدنی صاحب کا ایک بیان ہے۔ جو مولٰنا سندھی کی وفات کے بعد ان کے بعض اعمال سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے انہوں نے شائع فرمایا تھا۔ یہ بیان مولٰنا سندھی کی سیرت پر ایک دوست اور رفیق کی بلند پایہ تنقید ہے۔ اور اس سے سفر کابل کے متعلق چند گوشوں کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

تیسری چیز رولٹ کمیشن کی رپورٹ کا وہ حصہ ہے جو حضرت شیخ الہند

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کی تحریک اور مولٰنا سندھی کی جد و جہد سے متعلق ہے۔ کئی مواقع پر غلط ہونے اور صرف سرکاری نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے کے باوجود اس بیان سے مولٰنا سندھی کے سفر کابل کے متعلق کافی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رح کی تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس سفرنامۂ اسیر مالٹا (حضرت مولٰنا مدنی) اور سفرنامۂ کابل (حضرت مولٰنا سندھیؒ) کے علاوہ اور کوئی مفصل کتاب موجود نہیں۔ مولٰنا سندھی نے "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" میں اس موضوع پر انگریزی میں ایک رسالہ لکھوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے۔ مگر اس ارادہ کو عملی شکل دینے سے قبل ہی وہ واصل بحق ہوئے۔ اس میخانہ کے میکش ایک ایک کر کے اٹھ گئے ہیں۔ صرف دو بزرگ ہستیاں مولٰنا مدنی اور مولٰنا عزیر گل صاحب معلومات کے لئے آخری سہارا ہیں۔ مگر

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

محمد عبدالقدوس قاسمی
زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور

ع یہ کتاب عنقریب نئی ترتیب اور دیدہ زیب شکل میں پیش ہونے والی ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پوچھتے ہیں وہ کہ غالبؔ کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

0210



لاہور کے اخبارات میں میرے متعلق محبت آمیز مقالات شائع ہوئے ہیں۔ میں مقالہ نگار عزیزوں کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میری شخصیت اور ابتدائی تعلیم اور عام حالات میں اس قدر فحش غلطیاں موجود ہیں کہ میں بدون شرم محسوس کئے پڑھ نہیں سکتا۔ اس لئے تصحیح کے لئے چند واقعات مختصراً لکھنے پر مجبور ہوں۔

کتبہ عبیداللہ سندھی دیوبند

میرا خاندان اور مولد

میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں (چیانوالی) میں پیدا ہوا۔ ہمارے خاندان کا اصلی پیشہ زرگری تھا لیکن عرصہ سے ایک حصہ سرکاری ملازمت میں شامل ہو گیا اور بعض افراد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ساہوکارہ بھی کرتے رہے۔

میں عموماً سلمان فارسی کے اتباع میں اپنا نام عبیداللہ بن اسلام لکھا کرتا ہوں۔ مگر بعض عرب دوستوں کے اصرار سے والد کی طرف منسوب کر کے لکھنا پڑا۔ تو عبیداللہ بن ابی مائشہ لکھا۔ میری بڑی ہمشیرہ کا نام "جیونی" تھا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اگر کسی نے اس سے زیادہ تصریح کے لئے کہا تو عبیداللہ بن رامابن رائے لکھوں گا۔ میرے باپ دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد جیمت رائے ولد گلاب رائے ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دادا سکھ حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے۔

پیدائش اور یتیمی میں بہ شب جمعہ قبل صبح ۱۲ محرم ۱۲۸۹ھ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء پیدا ہوا۔ میرا باپ چار ماہ پہلے فوت ہو چکا تھا۔ دو سال بعد دادا بھی مر گیا تو میری والدہ مجھے ننھیال میں لے آئی۔ یہ ایک خالص سکھ خاندان تھا۔ میرے نانا کی ترغیب پر ہی میرا والد سکھ بن گیا تھا۔

میرے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں میں پٹواری تھے۔ جب نانا فوت ہوا تو ہم ان کے پاس چلے آئے۔ میری تعلیم ۱۸۷۸ء سے جام پور کے اردو مڈل سکول میں شروع ہوئی۔ ۱۸۸۷ء میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ کہ اظہار اسلام کے لئے گھر چھوڑ دیا۔ اس دوران میں دو سال کے لئے میں ضلع سیالکوٹ میں رہا۔ اس لئے ایک سال اپنی جماعت سے پیچھے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رہ گیا۔ ورنہ اپنے سکول میں شروع ہی سے ممتاز طالب علم مانا جاتا تھا۔

مطالعہ اسلام

۱۸۸۴ء میں مجھے سکول کے ایک آریہ سماج لڑکے کے ہاتھ سے تحفۃ الہند ملی۔ میں اس کے مسلسل مطالعہ میں مصروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب کے پرائمری سکول (کوٹلہ مغلاں) سے چند ہندو دوست بھی مل گئے۔ جو میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے۔ انہیں کے توسط سے مجھے مولانا اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان ملی۔ اس کے مطالعہ پر اسلامی توحید اور پرانک شرک اچھی طرح سمجھ میں آگیا۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحب "لکھوکی" کی کتاب احوال الآخرۃ پنجابی ایک مولوی صاحب سے ملی۔ اب میں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبید اللہ خود تجویز کیا۔ احوال الآخرۃ کا بار بار مطالعہ اور تحفۃ الہند کا وہ حصہ جس میں نومسلموں کے حالات لکھے ہیں۔ یہی دو چیزیں جلدی اظہار اسلام کا باعث بنیں۔ ورنہ اصل ارادہ یہ تھا کہ جب کسی ہائی سکول میں اگلے سال تعلیم کے لئے جاؤں گا تو اس وقت اظہار اسلام کروں گا۔

اظہار اسلام

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو توکلاً علی اللہ اکیلا کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ کوٹلہ مغلاں کا ایک رفیق عبدالقادر تھا۔ ہم دونوں عربی مدرسہ کے ایک طالب علم کے ساتھ کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پہنچے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ کو میری سنت تطہیر ادا ہوئی۔ اس کے چند روز بعد جب میرے اعزہ تعاقب کرنے لگے تو میں سندھ کی طرف روانہ ہوگیا عربی صرف کی کتابیں میں نے راستہ میں اسی طالب علم سے پڑھنا شروع کر دی تھیں۔

سید العارفین کی صحبت اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدا کی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی۔ اسی طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب (مہر چنڈی حاسلے والے) کی خدمت میں پہنچ گیا۔ جو اپنے وقت کے جنید اور سید العارفین تھے۔ چند ماہ میں ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے اس طرح طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک روز میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب فرمایا (غالباً مولانا ابوالحسن امروٹی جن کا ذکر آگے آئے گا بھی مجمع میں موجود تھے) کہ عبید اللہ نے اللہ کے لئے ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے اس کلمۂ مبارکہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اس لئے سندھ کو مستقل وطن بنایا یا بن گیا۔ میں نے قادری راشدی طریقہ میں حضرت سے بیعت کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ محسوس ہوا کہ بڑے سے بڑے انسان سے بہت کم مرعوب ہوتا ہوں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کے لئے رخصت ہوا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت نے میرے لئے خاص دعا فرمائی "خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے" میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہند کی خدمت میں پہنچا دیا۔

سید العارفین کے خلیفہ

پھر چونڈی سے رخصت ہو کر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاول پور کی دیہاتی مساجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا۔ اس نقل و حرکت میں دین پور پہنچا۔ جہاں سید العارفین کے خلیفہ اجل مولانا ابو السراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ ہدایتہ النحو تک کتابیں میں نے یہیں مولوی عبد القادر صاحب سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے میری والدہ کو خط لکھوایا۔ وہ آگئیں اور واپس لے جانے کے لئے بہت زور لگایا۔ مگر میں بحمد اللہ ثابت قدم رہا (یہ غلط ہے کہ میری والدہ دیوبند پہنچی) شوال ۱۳۰۵ھ میں دین پور متصل خانپور سے کوٹلہ رحم شاہ چلا آیا۔ اور مولوی خدا بخش صاحب سے کافیہ پڑھا یہیں ایک نو وارد طالب علم سے ہندوستانی مدارس عربیہ کا حال معلوم ہوا۔ اور میں اسٹیشن مظفر گڑھ سے ریل پر سوار ہو کر سیدھا دیوبند پہنچا۔

دار العلوم دیوبند

صفر ۱۳۰۶ھ کو میں دار العلوم میں داخل ہوا۔ تخمیناً پانچ مہینے میں قطبی تک متعلق کے رسائل متفرق اساتذہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور شرح جامی مولانا حکیم محمد حسن صاحب سے پڑھی۔ ایک فاضل اُستاد کی مہربانی سے طریقہ مطالعہ سیکھ لیا اور محنت سے ترقی کا راستہ کھل گیا۔

حکمت و منطق کی کتابیں جلدی ختم کرنے کے لئے چند ماہ مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسہ میں چلا گیا۔ اور پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی ناظر الدین صاحب سے کتابیں پڑھ لیں۔ اس طرح صفر ۱۳۰۶ھ کو پھر دیوبند واپس آگیا۔

حضرت مولانا شیخ الہند رح

دیوبند دو تین مہینے تک مولانا حافظ احمد صاحب سے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد مولانا شیخ الہند کے درس میں شامل ہو گیا۔ ۱۳۰۶ھ کو ہدایہ، تلویح، مطول، شرح عقائد، مسلم الثبوت میں امتحان دیا اور امتیازی نمبروں میں کامیاب ہوا۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس اول نے میرے جوابات کی بہت تعریف کی۔ فرمایا "اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہو گا"۔

چند دوستوں نے مبشرہ خواب دیکھے۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی خواب میں دیکھا۔

رمضان شریف میں اصول فقہ کا ایک رسالہ لکھا۔ جسے شیخ الہند رح نے پسند فرمایا۔ اس میں بعض مسائل اس طرح تحریر کئے جن میں جمہور اہل علم کے خلاف محققین کی رائے کو ترجیح دی تھی۔ مثلاً تاویل المتشابہات ناممکن الحصول نہیں بلکہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

راسخین فی العلم وہیں علم سے جانتے ہیں۔

شوال ۱۳۰۶ھ سے تفسیر بیضاوی اور دورۂ حدیث میں شریک ہوا۔ جامع ترمذی مولانا شیخ الہند سے پڑھی اور سنن ابوداؤد کے لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی خدمت میں گنگوہ پہنچا +

جہان آباد دہلی بیمار ہو کر گنگوہ سے دہلی چلا آیا حکیم محمود خاں کے علاج سے فائدہ ہوا۔ حدیث کی باقی کتابیں مولوی عبدالکریم صاحب پنجابی دیوبندی سے جلدی جلدی ختم کریں۔ مجھے یاد ہے کہ سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں نے چار چار دن میں پڑھی تھیں۔ اور سراجی دو گھنٹہ میں ختم کر لی۔

مولوی صاحب حضرت مولانا قاسم اور حضرت مولانا رشید احمدؒ کے غیر معروف محقق شاگرد تھے۔ اثنائے قیام دہلی میں دو دفعہ مولانا نذیر حسین صاحب کی خدمت میں گیا۔ صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں دو سبق بھی سنے +

حالاتِ سندھ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ کو دہلی سے سیدھا بھرچونڈی ضلع سکھر پہنچا (اس تمام سفر میں ایا باؤ دوہا باؤ لاہور نہیں اترا اور مسجد چینیاں نہیں گیا) میرے مرشد میرے آنے سے دس دن پہلے وفات پا چکے تھے۔ رجب ۱۳۰۸ھ میں حضرت شیخ الہند رحمہ نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا اور مولوی کمال الدین صاحب نے مجھ سے سنن ابی داؤد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پڑھی۔

سید العارفین کے دوسرے خلیفہ

شوال ۱۳۰۸ھ سے سید العارفین کے دوسرے خلیفہ مولٰنا ابو الحسن تاج محمود صاحب کے پاس امروٹ ضلع سکھر میں چلا گیا۔ انہوں نے اپنے مرشد کا وعدہ پورا کر دکھایا۔ میرے لئے بمنزلہ باپ کے تھے۔ میرا نکاح سکھر کے اسلامیہ سکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خاں یوسف زئی کی لڑکی سے کرایا۔ میری والدہ کو بلایا۔ وہ میرے پاس اخیر وقت تک میرے طرز پر رہیں۔ میرے مطالعہ کے لئے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ میں ان کے ظلِ عاطفت میں ۱۳۱۵ھ تک اطمینان سے مطالعہ کرتا رہا۔

کتب خانہ پیر صاحب العلم

گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد میں راشدی طریقہ کے پیر صاحب العلم کے پاس علوم دینیہ کا کتب خانہ تھا میں دورانِ مطالعہ میں وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا۔ میرے تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بڑا دخل تھا۔

حضرت پیر صاحب العلم کی صحبت

اس کے علاوہ مولٰنا رشید الدین صاحب العلم الثالث کی صحبت سے مستفید ہوا۔ میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں۔ ذکر اسماء الحسنٰی میں نے انہیں سے سیکھا وہ دعوت توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حضرت مولانا ابوالتراب رشداللہ صاحب العلم الرابع سے علمی صحبتیں رہیں۔ وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصانیف تھے۔ ان کے ساتھ قاضی فتح محمد صاحب کی علمی صحبت بھی ہمیشہ یاد رہے گی

میری علمی تحقیقات کا مرکز اللہ کی رحمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ جس کا شکریہ میں ادا نہیں کر سکتا یہ ہے کہ فقہ و حدیث کی تحقیق و تطبیق میں اور ایسا ہی قرآن عظیم کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی سے شروع کر کے امام ولی اللہ دہلوی تک سلسلہ علما میرا رہبر بنا اور ان کو میں نے اپنا امام بنا لیا۔

مجھے اپنی علمی و سیاسی ترقی میں اس سلسلہ سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس سے میری تمام کوششیں ایک اصول پر منظم ہو گئیں۔ اور میں اسلام کو فلاسفی سمجھنے کے قابل ہو گیا۔

میں نے دہلی میں قبلہ نما کا مطالعہ کیا۔ اس کے معارف میری روح سے پیوست ہو گئے۔ حدیث کی تحقیق میں حجۃ اللہ کا تعارف مولانا شیخ الہند رحمۃ نے کرایا تھا۔ آخر میں اس طرح کے مطالعہ سے مجھے اطمینان نصیب ہوا میں نے علماء کو حجۃ اللہ البالغہ پڑھائی اور کافی عرصہ بعد حضرت شیخ الہند رح سے پڑھی۔

طریقہ قادریہ اس عرصہ میں طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ مجددیہ کے اشغال و اذکار بھی حسب الاستطاعت حضرت سید العارفین کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

خلیفۂ اعظم مولانا ابوالسراج دین پوری سے سیکھتا رہا۔ اگر میری کوئی دنیاوی ضرورت امروٹ میں پوری نہ ہوتی تو دین پور سے حاصل کر لیتا۔ اس طرح مجھے اپنے مرشد کی جماعت سے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوئی +

میرا سیاسی میلان

دورانِ مطالعہ میں مولانا محمد اسماعیل شہید کی سوانح عمری دیکھی۔ اسلامی مطالعہ کی ابتداء سے میرا قلبی تعلق مولانا مرحوم سے پیدا ہو چکا تھا۔ دیوبند کی طالب علمی نے بہت سے واقعات اور حالات سے آشنا کر دیا تھا۔ مولانا عبدالکریم دیوبندی نے سقوط دہلی کی تاریخ آنکھوں دیکھی بتا دی تھی۔ میرا دماغ بچپن سے خاندانی عورتوں کی صحبت میں انقلاب پنجاب کی تکلیف دہ حالات سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں ایک قسم کا انقلاب آیا۔ جو کچھ لاہور کے لئے سوچتا تھا اب دہلی کے لئے سوچنے لگا۔ مولانا شہید کے کتابات میں سے ایک مضمون لے کر میں نے اپنا مختصر سیاسی پروگرام بنا لیا۔ وہ اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی۔ مگر ہند کے باہر مسلمانوں کی تحریک سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ میں نے حجۃ اللہ پڑھنے والی جماعت کو اس میں شامل کر لیا اور اس طرح اپنے خیال کے موافق آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا +

معاودت دیوبند

۱۳۱۵ھ میں دیوبند پہنچا۔ اپنے مطالعہ کا نمونہ دو رسالے لکھ کر ساتھ لے گیا۔ ایک علم حدیث میں اور دوسرا فقہ حنفی میں۔ حضرت مولانا نے دونوں رسالے پسند فرمائے۔ اس دفعہ دس بارہ حدیث کی مشہور کتابوں کے اطراف سنا کر دوبارہ شفہاً اجازت حاصل کی۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بعض مسائل جہاد کے ضمن میں ہماری اس جماعت کا بھی ذکر آیا۔ حضرت مولانا نے اسے بہت پسند فرمایا اور چند اصلاحات کا مشورہ دے کر اسے اتحاد اسلامی کی ایک کڑی بنا دیا۔ اس کام کو جاری رکھنے کی وصیت کی۔ اس کے بعد میرے تعلیمی اور سیاسی تمام مشاغل حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ سے وابستہ رہے۔

دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا

امروٹ واپس آکر میں نے مطبع قائم کیا اور دو سال تک چلایا۔ بعض عربی و سندھی نایاب کتابیں طبع ہوئیں اور ایک ماہوار رسالہ ہدایت الاخوان چھپتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ بنانے کی کوشش جاری کی۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمارا کام بغیر مدرسہ کے چل نہیں سکتا تھا۔ اس لئے دوسری جگہ کی تلاش میں تھا۔ کہ حضرت مولانا راشد اللہ صاحب العلم الرابع نے ۱۳۱۹ھ میں میری تجویز کے موافق مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ نام بھی میری تجویز سے مقرر ہوئے میں اس میں شریک ہو گیا۔ سات سال تک علمی و انتظامی کامل اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اکابر علماء میں سے حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا شیخ حسین بن محسن یمانی امتحان کے لئے تشریف لائے۔ اس مدرسہ میں بھی میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں کی اور امام مالکؒ کو بھی خواب میں دیکھا۔

جمعیتہ الانصار دیوبند

۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند نے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند رہ کر کام

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کرنے کیلئے حکم دیا اور فرمایا کہ اسکے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہیگا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس جمعیۃ کی تحریک تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد احمد لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔

نظارۃ المعارف دہلی حضرت شیخ الہند[1] کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۳۲۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کی سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا۔ اسی طرح دہلی پہنچکر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لے

[1] حضرت یوسفؒ کی اقتدا میں مولانا سندھی نے ان تلخ واقعات کا تذکرہ یہاں نہیں فرمایا جو ان کے دیوبند چھوڑنے کا باعث بنے۔ رولٹ کمیشن کی رپورٹ میں ان کی طرف اشارہ موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ کے ارباب اہتمام نے ان کی سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے ان کے چند مسائل کو بہانہ بنا کر ان پر کفر کا فتوے لگا دیا اور انہیں مدرسہ سے الگ کیا جس کے بعد مولانا دہلی چلے گئے اور وہیں مرکز قائم کر کے مولانا شیخ الہند رحمہ کی ہدایات کے مطابق کام کرتے رہے۔ انہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا انور شاہ رحمہ نے دیوبند سے مولانا سندھی کے نام مکہ معظمہ پیغام بھیجا تھا۔ کہ قیام دیوبند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کے لئے تکلیف کا باعث بنا تھا۔ اب میرے دل میں آپ کے لئے کوئی رنج نہیں امید ہے کہ آپ بھی معاف فرمائیں گے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

آئے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام اور محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلےٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔

ہجرت کابل سنہ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند کے حکم[1] سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا۔ اس لئے میری طبیعت اس ہجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا۔ اور میں افغانستان پہنچ گیا۔

دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتلایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے۔ انہوں نے بھی مجھے اپنا نمائندہ بنایا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہ بتلا سکے۔

کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رح قدس سرہٗ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کے حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے طیار ہیں۔ اُن کو میرے جیسے ایک خادمِ شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند کے اس انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔

میں سات سال تک حکومتِ کابل کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رہا سنہ ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خاں نے ہندوؤں سے مل کر کام کرنے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیل میرے لئے فقط ایک ہی صورت میں ممکن تھی۔ کہ میں انڈین نیشنل کانگریس

[1] اس حکم کی نوعیت کے لئے شروع میں عرض مرتب کو دیکھ لیجئے!

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں شامل ہو جاؤں۔ اس وقت سے میں کانگریس کا ایک داعی بن گیا۔
یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ امیر صاحب مرحوم اتحاد اسلام کے کام سے ہندوستانی کام کو زیادہ پسند کرتے تھے۔

۱۹۲۲ء میں امیر امان اللہ خاں کے دور میں میں نے کانگریس کمیٹی کابل بنائی۔ جس کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے کانگریس کے گیا سشن نے منظور کر لیا۔ برٹش ایمپائر سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی ہے۔ اور میں اس پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں اس کا پہلا پریذیڈنٹ ہوں۔ ص ۵۶۳

سیاحت روس

۱۹۲۳ء میں ترکی جاتا ہوا سات مہینہ ماسکو میں رہا۔ سوشلزم کا مطالعہ اپنے نوجوان رفیقوں کی مدد سے کرتا رہا۔ چونکہ نیشنل کانگریس سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا۔ اس لئے سوویٹ روس نے اپنا معزز مہمان بنایا۔ اور مطالعہ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ (یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا۔ کامریڈ لینن اس وقت ایسا بیمار تھا۔ کہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی نہیں پہچان سکتا تھا)۔

میرے اس مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی مذہبی تحریک کو جو امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ کی ایک شاخ ہے۔ اس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کی تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا میں اس کامیابی پر اول انڈین نیشنل کانگریس دوم اپنے ہندوستانی نوجوان رفقاء جن میں ہندو بھی شامل ہیں اور مسلمان بھی اور سوشلسٹ بھی،

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور نیشنلسٹ بھی سوم سوویٹ روس کا ہمیشہ ممنون اور شکر گزار رہونگا۔ اگر ان تین طاقتوں کی مدد مجھے نہ ملتی تو میں اس تخصص اور امتیاز کو کبھی حاصل نہ کر سکتا۔ فللہ الحمد وحدہ۔

جدید ترکیا

۱۹۲۳ء میں انقرہ پہنچا میرے لئے سفیر ترکیا متعین ماسکو اور وزارت خارجہ ماسکو نے مل کر سفر کا راستہ معین کر دیا تھا اور برطانوی کارندے اس کا پتہ نہ لگا سکے (یہ غلط ہے کہ میں استنبول اس زمانہ میں پہنچا جب برطانیہ و فرانس اس پر قابض تھے) تخمیناً تین سال ترکی میں رہا ہوں۔ میں نے تحریک اتحاد اسلام کا تاریخی مطالعہ کیا۔ مجھے مستقبل قریب میں اس کا کوئی مرکز نظر نہیں آیا۔ اس لئے میں نے ترکوں کی طرح اپنی اسلامی مذہبی تحریک کو نیشنل کانگریس میں داخل کرنا ضروری سمجھا اور کانگریس میں اپنے اصول کی ایک پارٹی کا پروگرام چھاپ دیا جس سے میری مذہبی تحریک ہر ایک مخالف انقلاب سے محفوظ رہ سکتی ہے +

ہمارا پروگرام

یورپ کو اس طرح اسلام کا تعارف کرانے میں میرا خیال ہے۔ کہ میں اپنے استاذ الاستاذ اور اپنے امام مولانا محمد قاسم صاحب دیوبندی کی ایک قلبی خواہش کو عملی جامہ پہنا تا ہوں۔

اس پروگرام کو ترکی پریس سے شائع کرنے کے لئے انقرہ گورنمنٹ کی اجازت حاصل کی گئی۔ وزارت خارجہ نے دو مختلف مترجموں سے ترجمہ کرا کے جب تک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

[redacted] کا حرف حرف نہیں پڑھ لیا۔ اجازت نہیں دی بعض ہندو دوست اردو
[redacted] پڑھ سکتے تھے۔ ان کی سہولت کے لئے میں نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع
[redacted] ہے۔ استنبول میں مالہ لاجپت رائے سے تبادلہ افکار ہوا۔ اور ایسا ہی ڈاکٹر
[redacted] ادی سے اچھی طرح باتیں ہوئیں۔ ہمارے بزرگ نہ اسے مان سکتے تھے۔ نہ اس
[redacted] ادل تبلا سکتے ہیں۔ اور کوشش کریں گے کہ ہمیں ہزار دو ہزار پہلے زمانہ
[redacted] ڈاکر دیں۔ البتہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک آدھ فقرہ اس کی پسندیدگی
[redacted] ہے وہ میرے لئے باعث سرور ہے۔

[redacted] نے اپنے پروگرام میں عدم تشدد کو ضروری قرار دیا ہے۔ میں مہاتما گاندھی
[redacted] ہوں میں عدم تشدد کو اخلاقی اصول مانتا تھا لیکن اس بنا پر پولیٹیکل پروگرام
[redacted] اور اس کی اہمیت میں نے گاندھی جی سے سیکھی ہے۔ گاندھی جی نے مجھے
[redacted] مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یاد دلادی میں جانتا ہوں کہ اسلام کے
[redacted] دور میں اس اصول سیاسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومنین
[redacted] وجدھا فھو احق بھا۔

ص ۵۶۱

مکہ معظمہ سنہ ۱۳۴۲ھ موسم حج پر مکہ معظمہ میں مؤتمر خلافت منعقد ہوئی۔
میرے تمام دوست اس میں آرہے تھے۔ میں نے محض ان
سے ملنے کی خاطر اٹلی کے راستے سے مکہ معظمہ پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر میں مؤتمر
ختم ہونے کے بعد صفر سنہ ۱۳۴۵ھ میں پہنچا۔ میں اپنی پوزیشن صحیح طور پر پہچانتا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تھا میں نے حجاز گورنمنٹ کو یقین دلایا کہ یہاں میں کوئی سیاسی پروپیگنڈا نہیں کروں گا۔ اس وجہ سے میں ایک طرح محفوظ ہوگیا۔ اگر کبھی کسی جزوی امداد کی میں نے درخواست کی تو حکومت نے اسے پورا کر دیا۔ میرے اپنے طور پر رہنے میں اولیا مامور حارج نہیں ہوئے۔ اس لئے وہ میری طرف سے بہت بہت شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں۔ جزاھم اللہ خیرا۔

علماء مکہ سے استفادہ مجھے اہل مکہ میں سے تین ہندوستانی اور ایک عرب خاندان نے خاص طور پر علمی امداد دی سب سے پہلے شیخ عبدالوہاب دہلوی (حاجی علی جان والے) دوسرے عبدالستار بن عبدالوہاب (دہلی) مرحوم تیسرے ابوالشرف مجددی۔ ان کے کتب خانوں سے میں نے استفادہ کیا۔ عرب خاندان سے میری مراد شیخ محمد بن عبدالرزاق بن حمزہ شیخ الحدیث مکہ اور شیخ ابوالسمح عبدالظاہر امام الحرم کا خاندان ہے۔

میرا علمی مشغلہ میں یقیناً ۱۲-۱۳ سال سے قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بہ نظر عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ تفسیر قرآن عظیم میں جس قدر مقامات میرے لئے مشکل تھے۔ اس زمانہ میں انہیں امام ولی اللہ دہلوی کے اصول پر بالاطمینان حاصل کر سکا۔ جو لوگ میری طرح امام ولی اللہ دہلی کو نہیں مان سکتے ان کو مطمئن کرنے کا دعوے میں نہیں کر سکتا۔

لیکن مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس زمانہ میں قابل عمل تعلیم کا ایک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عملی نصاب نظر آیا۔ اس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تاثیر ضرور ماننا پڑتی ہے۔

میں نے امام ولی اللہ دہلوی کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا۔ مثلاً بدور بازغہ خیر کثیر۔ تفہیمات الٰہیہ۔ سطعات۔ الطاف القدس لمعات وغیرہ۔

ان کی کتابوں کے لئے بطور مفتاح میں نے مولانا رفیع الدین دہلوی کی قبیل الاذہان اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی طبقات اور مولانا محمد قاسمؒ کی قاسم العلوم والخیرات پر دلپذیر اور آب حیات کو استعمال کیا۔

مجھے لوگوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا۔ اور ساتھ ہی مدارسہ قرآن کریم بھی جاری رہی۔ اس سے میری نظریات بہت وسیع ہوگئیں۔ للہ الحمد

امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا مدرسہ

اگر مجھے موقعہ دیا جائے کہ میں امام ولی اللہ دہلوی کو حکمت کا مجتہد مستقل فرض کرلوں۔ اور امام عبدالعزیز دہلوی اور مولانا رفیع الدین دہلوی کو اس حکمت کے منتسب اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسمؒ کو مجتہد فی المذہب کے مرتبہ پر تسلیم کرلوں۔ تو میں اس حکمت کا ایسا سکول قائم کرسکتا ہوں جس میں (الف) قرآن عظیم (ب) سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وسنت الخلفاء الراشدین (ج) تاریخ اسلام

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کی پوری عقلی تشریح ممکن ہو۔ اس کے بعد تمام مذاہب عالم اور ان کی کتب مقدسہ کی تحقیق و تطبیق اس اصول پر آسان ہو جائے (ذلک من فضل اللہ واللہ ذوالفضل العظیم)

مراجعت وطن ۱۹۳۶ء سے انڈین نیشنل کانگریس نے میری واپسی کے متعلق کوشش شروع کی۔ اور میرے تمام دوست اس کی تائید میں کام کرتے رہے۔ اس میں سیاسی مسلک کے اتحاد و اختلاف کا کوئی فرق نہیں رہا۔ اس طرح کی کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ مجھے یکم نومبر ۱۹۳۷ء کو اجازت واپسی وطن کی اطلاع ملی اور یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو پاسپورٹ دینے کا فیصلہ معلوم ہوا۔ حج کا موسم سر پر آگیا۔ اس لئے ادائے مناسک کے بعد سے فراغت پر واپسی کا ارادہ ہے (واللہ الموفق)

ہندوستان میں پروگرام ہندوستان پہنچ کر میرا پروگرام اس کے قریب قریب ہوگا۔

(۱) انڈین نیشنل کانگریس کا معمولی ممبر تو ہمیشہ رہوں گا تاکہ عدم تشدد کے متعلق میری ذمہ داری میرے قومی قانون کے اندر منضبط رہے۔ اور میں پریشان دوستوں کے مشوش حرکات سے محفوظ رہ سکوں لیکن کانگریس کی کسی پارٹی کے عملی حصہ میں شرکت نہیں کروں گا۔

(۲) میرا محبوب مشغلہ فلسفہ امام ولی اللہ کی تعلیم و اشاعت ہوگا۔ میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ا لله طبقۂ اہل علم کو اس طرف متوجہ کرتا رہوں گا۔ اس میں دینی عالم اور
دانشمند دونوں مخاطب ہوں گے۔ اگر کوئی غیر مسلم ہندو سیکھی آزاد منش اس
فارمولہ کا مطالعہ پسند کرے گا تو اس کی پوری امداد کروں گا۔

(۳) جب کبھی حالات مناسب پیدا ہوئے تو میں نیشنل کانگریس میں فلسفۂ
اسلامی کی روشنی میں اقتصادی اصول پر اپنی مستقل پارٹی تشکیل کرونگا۔

(وما توفیقی الا باللہ المستعان واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

جبال الصولتیہ
بالمدینۃ اللہ الحرام

عبید اللہ



Telegram : t.me/pasbanehaq1

تتمہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مولانا سندھی کی مندرجہ بالا سوانح ان کی اپنی
تحریر کردہ ہے جو ہندوستان روانہ ہونے
سے پیشتر مکہ معظمہ میں معرضِ تحریر میں آئی
بعد کے واقعات کا اجمال یہ ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہندوستان آنے کی تمنا کیوں تھی

اگرچہ مولانا کا ارادہ ۱۹۳۸ء میں ہی ہندوستان آنے کا ہو گیا تھا۔ مگر نامعلوم واقعات کی بنا پر ان کا آنا ایک سال کیلئے معطل ہوا۔ اور وہ ۱۹۳۹ء میں سرزمین عرب سے روانہ ہو سکے۔ مولانا نے ایک خاص مقصد (احیائے اسلام) کیلئے اپنی زندگی وقف سمجھی تھی۔ اور زندگی کے ہر مرحلے پر ان کے مطالعہ اور انکے تصورات کا محور اسی مقصد کا حصول تھا۔ طویل سفر و گرد و پیش کے افکار کا مطالعہ و تنقید اور وسیع عرصہ کے غور و فکر کے بعد بلد اللہ الحرام میں انہوں نے اپنے طور پر ایک نظام کار متعین کر لیا تھا۔ اور ہندوستان کی تمنا میں صرف اس لئے تھیں کہ یہاں ان کو اپنے افکار کے پھیلانے اور ایک صالح جماعت کے تیار کرنے کا موقع مل جائیگا چنانچہ پچیس سال کی جلاوطنی کے بعد جب آپ ہندوستان آنے کیلئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو آپ کی عجیب حالت تھی۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مولانا پر اس وقت غیر معمولی تاثر کی کیفیت طاری تھی۔ جزائر عرب میں رہتے ہوئے بارہ سال ہو گئے تھے۔ ایک طرف ہی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کر چھوڑنے کا قلق تھا۔ اور پھر وطن کی مراجعت جذبات میں تلاطم پیدا کر رہی تھی ایک ہندوستانی بزرگ جو خود بہت بڑے عالم ہیں۔ اور ان کا خاندان مستقل طور پر حجاز میں بس گیا ہے اور انکے کاروبار کا وسیع سلسلہ ہے۔ بارہ سال کے عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ہوگا کہ مولانا کی صاحب موصوف سے ملاقات نہ ہوئی ہو۔ آپ مولانا کے ساتھی بھی تھے اور ایک لحاظ سے شاگرد بھی۔ انکا اصرار تھا کہ مولانا بیت الحرام میں رہیں لیکن مولانا سمجھتے تھے کہ انکا وطن واپس جانا ضروری اور مفید ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی آخری ملاقات بڑی رقت انگیز تھی۔ رخصت ہوتے وقت مولانا نے ان سے فرمایا کہ میرا یہ غیر متزلزل یقین اور عقیدہ ہے کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور شاندار ہے۔ بیشک اسلام پوری قوت اور توانائی کیساتھ ایک بار پھر ابھریگا لیکن خارج میں اس کا ڈھانچہ وہ نہیں ہوگا جو اس وقت ہے۔ مجھے جسطرح اس بات پر یقین ہے کہ اسلام ایکبار پھر ابھریگا۔ اسی طرح میرا یہ بھی ایمان ہے کہ ہمارا موجودہ ڈھانچہ اب چند دنوں کی چیز ہے۔ اسلام کو اپنا ایک نیا ڈھانچہ بنانا ہوگا اور مسلمان اسے جسقدر بھی جلد بنالیں بہتر ہوگا۔ یہ وہ عقیدے ہیں جو مجھے کشاں کشاں ہندوستان لے جا رہے ہیں۔ میں اب چراغ سحری ہوں خدا معلوم زندگی کے چند دن اور ہونگے۔ چاہتا ہوں۔ مرنے سے پہلے اپنی قوم کے کانوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں۔

ہندوستان میں آمد اور سیاسی جماعتوں سے تعلقات الغرض یہ تمنائیں لے کر وہ مارچ ۱۹۲۹ء میں ہندوستان کے ساحل پر اترے۔ کراچی، لاہور، دیوبند اور دہلی میں انکا شاندار استقبال کیا گیا۔ قوم کو ان سے اور ان کو قوم سے بڑی بڑی توقعات وابستہ تھیں مولانا

۱؎ مولانا عبیداللہ از پروفیسر محمد سرور۔ ص ۱۷۸۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عقیدت مندوں میں وہ لوگ بھی تھے جو مولانا احمد علی اور خواجہ عبدالحمید صاحب کے واسطہ سے ان کے تفسیر قرآن سے متاثر ہوئے تھے اور وہ بھی تھے جن کو ان کے سیاسی رجحانات اور ماضی کے رجحانات کی وجہ سے ان سے عقیدت تھی چنانچہ مولانا کی آمد پر مختلف سیاسی افراد اور جماعتوں نے ان کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ اور دارالعلوم دیوبند اور جامعہ ملیہ کے بہت سے طلبہ ان سے والہانہ محبت کا اظہار کرنے لگے۔ مگر مولانا کے پچیس سالہ مطالعہ اور تدبر نے ان کے اور قوم کے عام ذہن و فکر کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر دی تھی اور جوں جوں مولانا اپنے مخصوص افکار و خیالات کا اظہار کرنے لگے عقیدتمندوں کا یہ جمگھٹا ہٹتا گیا۔ اور مسلم لیگ، کانگریس، احرار اور جمعیتہ العلماء میں سے ہر ایک جماعت نے مولانا کی خدمات سے اپنی جماعت کو الگ رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مولانا نے صرف سندھ کانگریس کمیٹی اور بنگال جمعیتہ العلمائے صوبہ کے دو مقامات پر جلسوں کی صدارت کی اور بس اس کے بعد مولانا نے اپنی الگ راہ لی۔ اور عام شاہراہوں سے الگ ہو گئے۔

مولانا جو شیخ الہند کے "تحریک انقلاب" تو تھے ہی "چراغ سحری" ہونے کے تصور نے ان کی طبیعت میں عجلت اور بے صبری پیدا کر دی تھی۔ اور ہر اس نظام کو ذرا توڑنے کے حق میں تھے۔ جو ان کے خیال اور ان کے مطالعہ کے مطابق ملک اور مذہب کے مستقبل کے لئے مفید نہ تھا۔ وہ کانگریس کی "مذہبی" قیادت اور دیگر اسلامی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جماعتوں کی "قدامت پسندی" سے نالاں تو تھے ہی۔ خاکسار تنظیم کی حمایت سرسکندر کی فوجی بھرتی کی موافقت، اشتراکی نظریوں کی تعریف، اکبر کے دین الٰہی کی تاویل، ہیٹ اور نیکر اور رومن رسم الخط کے پرچار نے ان کے اپنے دیرینہ وابستگان کو ان سے توڑ دیا اور مولانا مدنی جیسے مخلص اور متحمل رفیق کو بھی ان کی وفات کے بعد ان کے متعلق اس رائے کا اظہار کرنا پڑا کہ مولانا کے افکار میں بے ترتیبی پیدا ہو گئی تھی۔ اور ان کی طرف منسوب شدہ افکار صرف اس وقت قابل قبول ہیں۔ جب اصول دین سے ان کی مطابقت مسلم ہو جائے۔

مولانا کا مخصوص پروگرام، اور اس کی تکمیل، جمنا۔ زبدا سندھ ساگر پارٹی

سرزمین حجاز کو چھوڑنے سے پیشتر ہی مولانا نے ہندوستانی پروگرام کے تین حصہ کر لئے تھے کانگریس کی ممبری، شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کی تلقین اور کانگریس میں اپنی پارٹی کا قیام۔ ہندوستان پہنچنے پر مولانا نے اپنے پروگرام کے تیسرے جزو کو جمنا زبدا سندھ ساگر پارٹی کے نام سے روشناس کیا۔ اس پارٹی کا نصب العین ان کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" کے آخری ورق پر مندرج ہے۔ اور لاہور و سندھ میں اس کی شاخیں بھی موجود ہیں۔ مگر سیاسی پارٹیوں کے قیام کے لئے جس گرم جوشی اور سرگرم جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ مولانا کی زندگی میں مولانا کو نہ مل سکی۔ اور اس پارٹی کا وجود صرف نظریے تک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہی محدود رہا ۔

شرکت کانگریس پروگرام کے پہلے جزو (کانگریس کی ممبری) کے متعلق مولانا ہر مجلس میں فرماتے رہے کہ مجھے نیشنل کانگرس سے محبت ہے۔ کیونکہ دنیا کی نظر میں وہ ہمارے ملک کی معزز سیاسی مجلس ہے۔ میں سولہ سترہ برس کانگریس میں کام کرتا رہا ہوں۔ مولانا نے ہر خطبہ اور ہر مجلس میں اس حقیقت کا اظہار کیا کہ ہندوستان کا اور مسلمانوں کا فائدہ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ سیاسی جد و جہد اور کانگریس کو صحیح نمائندہ جماعت بنانے میں ہے۔ ایک واحد سیاسی جماعت کی ضرورت اس لئے انہوں نے محسوس کی، کہ کل ہندوستان کی سیاست اور معیشت کا نظام ایک ہی طرز پر قائم ہو سکے ان کے خیال میں یک جہتی اور امن قائم کرنے کے لئے یہ ضروری تھا۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی معاملات میں کل ہندوستان کی نمائندگی کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری تھا۔ بصورت دیگر ہندوستان کے لئے دوسری قوموں کے سامنے ذلت و رسوائی کے علاوہ دوبارہ غلامی کا خطرہ ہے۔ یہ واحد جماعت ان کے خیال میں کانگرس ہی ہو سکتی تھی۔ اس لئے مولانا کانگرسی تھے اور کانگریس میں رہنا چاہتے تھے مگر ان کو کانگریس کی موجودہ نیم مذہبی و نیم سیاسی قیادت سے شکایت تھی اور وہ اسے مسلمانوں کے قومی وجود کے لئے ایک مستقل خطرہ سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اس نظام کے تصور میں شریک ہونے کے باوجود اس میں منسلک نہ ہو سکے اور ہندوستان کے اس آخری

Telegram : t.me/pasbanehaq1

چند سالہ قیام میں کبھی کانگریس کے پرائمری ممبر بھی نہ بنے +

بیت الحکمۃ اور ولی اللہی فلسفہ کی تلقین

شاہ ولی اللہ فلسفہ کو سمجھانے اور پھیلانے کے لئے مولانا نے دہلی اور لاہور میں مرکز کھولے اور نہایت سرگرمی سے ان نوجوانوں کی تربیت

کی تکمیل میں مصروف ہو گئے جو عقیدت مندوں کے جم غفیر کے الگ ہو جانے کے بعد ان سے وابستگی میں ثابت قدم رہے۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے پیر جھنڈا، راجی، لاہور اور دین پور میں بیت الحکمۃ کھولے۔ اور ان طبائع کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ جو ان کے خیالات کو سننے اور ان سے استفادہ کرنے کیلئے آمادہ تھے

اس مقصد کے لئے ان کی جد و جہد اور دلی جذبات کا اندازہ کرنے کے لئے ہم ایک واقعہ کا ذکر بطور نمونہ کرتے ہیں۔ دلی میں مولانا اور لیس میرٹھی کے مکان پر ہر ہفتہ کے دن مقامی فضلاء دیوبند کا اجتماع اور مذاکرہ علمی ہوتا تھا۔ مولانا بھی ان دنوں اوکھلا جامعہ نگر میں مقیم تھے۔ جو جامع مسجد سے سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس اجتماع میں شرکت کے لئے مولانا باالتزام جمعہ کی نماز سے پہلے جامع مسجد تشریف لاتے اور عصر کے بعد واپس جاتے۔ ظہر اور عصر کے درمیان مذاکرہ ہوتا۔ مولانا حجۃ اللہ البالغہ کے مشکل مقامات کا درس دیتے اور شکوک و شبہات نہایت اطمینان سے حل کراتے۔ اس التزام کو نباہنے کے لئے دو چار دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ مولانا کے پاس بس کا کرایہ نہیں ہے۔ انہوں نے یا طویل مسافت اس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بڑھاپے[1] کے عالم میں پیدل طے کی اور اجتماع میں شریک ہوئے ہیں۔ مگر چہرے کی بشاشت میں فرق نہیں آنے دیا ہے۔

مولانا اور مدرسۂ دیوبند

شاید فضلائے دیوبند کے اس اجتماع کی شرکت کا التزام اس لئے بھی ہو کہ مولانا کو مدرسۂ دیوبند کے ساتھ خصوصی دلچسپی تھی۔ اور وہ یہاں کے فضلاء میں افکار عالیہ کی ایک روح پھونکنا چاہتے تھے۔ مولانا نے اپنی زندگی کا عملی پروگرام جمعیۃ الانصار سے شروع کیا تھا۔ اور وہ اپنی زندگی کے ہر قدم پر اس جماعت (دیوبند اور اس کے متعلقین) کے لئے سوچتے رہے۔ مولانا کو اپنی واپسی پر یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ کہ وہ دیوبند جو کبھی فقہ (مولانا رشید احمدؒ و حکمت (مولانا شیخ الہندؒ) کا میدان تھا۔ اپنے مقام سے پیچھے ہٹ کر جمود و رجعت کا مرکز بن گیا ہے۔ اس جمود و رجعت کو ہٹانے کے لئے وہ

[1] سخت کوشی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ پروفیسر محمد سرور صاحب لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں مولانا کا جامعہ نگر میں قیام تھا۔ وہاں میں اس دفعہ سخت کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی بعض دفعہ صبح کو اتنی کہر چھائی ہوتی کہ دن کے دس گیارہ بجے تک دھوپ دیکھنے میں نہ آتی۔ مولانا حسب معمول بہت سویرے اٹھتے اور سیر کو نکل جاتے۔ جامعہ نگر سے تین چار فرلانگ پر دریائے جمنا ہے۔ جہاں سے ایک نہر نکلتی ہے۔ موصوف نہر پر یخ پانی سے وضو کرتے، نماز پڑھتے اور دیر میں چہل قدمی کرتے کرتے ذکر و افکار سے فارغ ہوتے۔ صبح کے ان معمولات سے جب مولانا فارغ ہوتے ہیں۔ تو ان کی طبیعت میں بڑی تازگی اور انبساط ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ طلبا موجود ہوں تاکہ آپ درس دیں۔

(مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۰۴)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

چلائے۔ چیخے اور سمجھلائے اور آخر کار صرف اتنی بات پر شکر گزار ہوئے کہ مدرسہ کے تعلیمی نصاب میں حجۃ اللہ البالغہ اور مولانا محمد قاسم رحمہ کی کتابوں کو جگہ مل گئی۔ مولانا عبید اللہ کے فلسفہ کی تفصیلات سے ہمیں بھی اختلاف ہے۔ مگر علم و حکمت کی طرف دعوت میں وہ حق بجانب تھے۔ اور مدرسۂ دیوبند کے لئے ان کی اس دعوت کو زیادہ غور کے ساتھ اہتمام دینا مناسب تھا +

وفات

ہندوستان میں مولانا کے پانچ آخری سال اس جد و جہد اور کشمکش میں گزرے آخر کار اجتماع فکر و عمل کی اس عبوری روزگار ہستی نے ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء کو بمقام دین پور ریاست بہاول پور اس کارگاہ عنصری کو الوداع کہی اور سفر گزیں مقام علیین ہو کر قرین ابد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں فردوس برین میں اپنے الطاف مخصوصہ کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین +

تصانیف

مولانا کے ابتدائی زمانے کے رسالے اور تصانیف اب ناپید ہیں۔ ہندوستان کے اس آخری قیام میں انہوں نے "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" اور "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" دو کتابیں لکھ کر شائع کیں ایک اور کتاب "عروۃ" ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ ایک اور اہم کتاب کتاب التمہید عربی ابھی قلمی ہے اس کے علاوہ انکے خطبات چھپے ہیں اور ان کے افکار پر ایک بسیط کتاب مولانا عبید اللہ سندھی کے نام سے پروفیسر محمد سرور صاحب نے لکھی ہے جو ان کے خیالات کو ایک مرتب شکل میں دکھانے کے لئے نہایت کامیاب کوشش ہے +

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تعارف



Telegram : t.me/pasbanehaq1



از

مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی

Telegram : t.me/pasbanehaq1



مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے متعلق مختلف قسم کے مضامین پریس میں شائع ہوئے ہیں جس کی بنا پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت الامر کو شائع کر دیا جائے۔ تاکہ ناظرین اعتدال کی راہ اختیار فرماتے ہوئے افراط و تفریط سے بچ جائیں اور جن باتوں کو مذکورۂ ذیل معروضات کے خلاف دیکھیں اس کی حقیقت سمجھیں، نیز ناظرین سے پرزور اپیل ہے کہ مولانا مرحوم کے اصل جذبات اور نصب العین کی قدر کرتے ہوئے، جو ان کی عمر کا بہترین سرمایہ تھا اور تادم مرگ ان کو ملک بہ ملک پھراتا رہا تھا۔ رائے قائم فرمائیں۔

مولانا عبیداللہ مرحوم ذکی الطبع اور سمجھ بوجھ والے جفاکش اور محنتی ابتدائے عمر سے واقع ہوئے تھے بعنوان شباب کی غلط کاریوں اور لغو بے معنی حرکات جو کہ اس زمانہ میں نوجوانوں میں عموماً پائی جاتی ہیں۔ مرحوم میں ان کا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وجود نہ تھا۔ ان کا تمام زمانۂ طالب علمی استقامت اور اعتدال سے مزین رہا کتب بینی اور مشاغل علمی میں انہماک رکھتے تھے۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز ان کی ذکاوت علمی دلچسپی اور استقامت ہی کی بنا پر ان سے زیادہ مانوس رہتے تھے۔ ابتداء ہی سے ان کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے علماء رحمہم اللہ کی تصانیف سے بہت شغف تھا۔ مرحوم ان کی کتابوں اور رسائل کو بغور اور جد وجہد کے ساتھ مطالعہ کیا کرتے تھے۔ تا اینکہ اکثر مضامین ان کتب کے ان کو ازبر ہو گئے تھے۔

دار العلوم دیوبند میں کتابیں ختم کرنے کے بعد ان کا سندھ کے علمی مراکز میں قیام رہا اور اس زمانہ کے وہاں کے اکابر سے تعلق شدید رہا۔ انہوں نے علم ظاہر کے مشاغل کے ساتھ تصوف کے مراحل میں بھی مدتوں لگاتار دھوپ اور تپک ذوق و جاری رکھی جن کا اثر ان پر نمایاں ظاہر ہوتا تھا۔

جن لوگوں نے ان کو ۱۳۲۶ھ اور اس کے مابعد کے زمانہ میں دیکھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا موصوف عموماً نہایت ساکت و صامت رہتے تھے فضول گوئی اور لایعنی امور سے نہایت محترز اور مشاغل قلبیہ اور معارف علمیہ میں منہمک، عبادات اور اعمال صالح کے دلدادہ، بزرگان دین اور اکابر ملت کے انتہائی مخلص اور ان کے عقیدت مند اور متادب پائے جاتے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تھے۔ ان کی ہر ہر حرکت اور سکون اور ہر ہر قول و عمل سے متانت اور رزانت ٹپکتی تھی۔ قرآن شریف کی خدمت اور احادیث نبویہ اور کتب دینیہ فقہیہ وغیرہ کی اشاعت و تعلیم ان کا سرمایہ حیات تھا۔ ان پر زر و مال، جاہ اور عزت کا کوئی اثر نہ تھا۔ روپیہ کو ٹھیکری بلکہ مینگنی کی طرح سمجھتے تھے۔ اور جاہ دنیاوی اور عزت فی الخلق کو لاشئ محض خیال کرتے تھے۔ امرا اور اہل دولت سے ان کو وابستگی تو درکنار نفرت تامہ تھی۔ غربا اور فقرا طلبہ اور اہل اللہ سے ان کو انس عظیم تھا۔

دن رات اسی اصلاح عقائد و اعمال کی ترقی کی فکر اور امت مسلمہ کی مغربی زہر آلودہ تعلیم اور الحاد و بے دینی کے وبائی جراثیم سے حفاظت مشغلہ اور نصب العین تھا۔ اسی نصب العین کے ماتحت دار العلوم کی ترقی کے لئے وہ سند سے دیوبند آئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے انہوں نے جمعیۃ الانصار قائم کی اور اسی کے لئے انہوں نے دہلی میں مدرسہ معارف القرآن کی بنا ڈالی اس زمانہ میں ان کا سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا اسی نصب العین کے زیر سایہ رہتا تھا۔ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ جنگ طرابلس اور بلقان کے روح فرسا اور اطمینان کش واقعات پیش آئے۔ جنہوں نے سابقہ جنگ روم اور روس اور جنگ یونان وغیرہ پر یورپین اقوام کے غیر منصفانہ اور وحشیانہ بے راہیوں سے پیدا ہونے والے اور غیر مندمل زخموں میں نہایت زیادہ نمک پاشی کی۔ اور حساس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ispot.com

مسلمانوں اور بالخصوص حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے غیرت مند دل
میں انتہائی قلق اور بے چینی پیدا کر دی۔

حضرت رحمۃ اللہ اور دیگر باغیرت مسلمانوں نے اسی تاثیر قوی کے ماتحت
مال احمر کے لئے چندہ کی تحریک کی جس پر مسلمانانِ ہند نے عموماً لبیک کہا۔ مگر
ہمارے باخبر حلقوں اور سمجھدار طبقوں میں اطمینان کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی
بلکہ قلق و اضطراب میں کوئی کمی ہوئی۔ ادھر مضامین الہلال نے جو اس زمانہ
میں نہایت پُر زور اور پُر اثر تحریر کے ساتھ شائع ہوتے تھے یقین دلا دیا کہ
انگریزی سامراج نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے بلکہ اس کو عالم
سے بھی مٹا دینا چاہتا ہے۔ اس لئے بجز آزادیٔ ہندوستان کوئی صورت
ممالک اسلامیہ کی امداد اور خود مسلمانانِ ہند بلکہ تمام اہلِ ہند کی مشکلات
حل ہونے کی نہیں ہو سکتی۔ انہی جذبات اور تاثرات نے جن میں حضرت
شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سرشار ہو رہے تھے۔ ان کے باغیرت اور باہمت دل میں
بے چینی اور اضطراب کی موجیں مارنے والی لہریں پیدا کر دیں اور مجبور کر دیا۔ کہ
خود بھی سربکف ہو کر آزادی کے میدان میں کود پڑیں اور دوسروں کو بھی کود دیں۔
انہوں نے مولانا عبید اللہ صاحب کو بیدار کرتے ہوئے اس قدر متاثر کیا۔
کہ مولانا عبید اللہ صاحب اپنے سابق نصب العین سے تقریباً ہٹ گئے۔ اور
آزادیٔ ممالک اسلامیہ بالخصوص آزادیٔ ہندان کا نصب العین ہو گیا جس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے نتیجہ میں اب ان کی زندگی اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، سوچ بچار صرف آزادی ہندوستان اور آزادی ممالک اسلامیہ ہوگئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں جنگِ عظیم کی گھنگھور گھٹاؤں نے دنیا کو گھیر لیا۔

یہ حالت ایسی نہ تھی کہ اس قسم کے قلوب ماہی بے آب کی طرح تڑپ میں نہ آئیں چنانچہ اپنی اپنی بساط کے موافق تگ و دو کرنے لگے۔ بالآخر اسی تاثر میں مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کابل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حجاز پہنچے۔ مولانا عبیداللہ صاحب کا یہ جذبۂ آزادی روز افزوں ترقی کرتا رہا اور اس قدر اس میں غلو ہوگیا کہ اگر اس کو جنون کا درجہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ افکار تھے تو اس کے، زبان پر ذکر تھا تو اس کا، تدبیریں تھیں تو دن رات اسی کی، اعمال تھے تو اسی کے۔

کابل میں پہنچنے کے بعد مرحوم نے امیر حبیب اللہ خاں صاحب مرحوم اور ان کے حاشیہ نشینوں سے اس مقصد کے ماتحت تعلقات قائم کرکے اپنی امیدوں کی شمع کو روشن کیا۔ مگر امیر حبیب اللہ مرحوم کی شہادت نے ان کی تمام شمعوں کو بجھا دیا۔ اور ان کی حسرت و یاس کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ تاہم چونکہ فطرت نے ان کو ایسے کا قلب اور نہ تھکنے والا دماغ دیا ہے۔ وہ اپنی جد و جہد میں مصروف رہے اور یہ شدید مایوسی بھی ان کے اعضاء کو بے کار نہ کر سکی۔ جب امیر امان اللہ سریر آرائے سلطنت ہوگئے۔ تو موصوف نے اپنی جد و جہد کا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کرزان کی ذات ستودہ صفات کو قرار دیا۔ افغانستان کی جنگ آزادی میں سوا
سکیموں اور کوششوں کا بڑا حصہ شامل تھا۔ چنانچہ ایک مشہور جنگی انگریز
کا قول ہے کہ "یہ کامیابی افغانستان کی نہیں ہے بلکہ عبید اللہ کی فتح
ہے"

یقیناً جو سکیم جنگ کی تیار کی گئی تھی۔ وہ اگر بروئے کار آجاتی اور خیانتیں
نہ ہوتیں تو عظیم الشان کامیابی ہو جاتی مگر مشرقی کمان کی خیانت نے تمام کی کرائی
محنت تقریباً برباد کر دی۔ تاہم یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم
کرلی گئی۔

دوسرا سخت صدمہ تھا جو کہ مولانا عبید اللہ صاحب کے بے چین اور
مضطرب قلب کو مشرقی کمان کی شکست اور خیانت سے لگا۔ مولانا عبید اللہ
صاحب کی سرگرمیاں اور ان کی ذہنی رسائی اور اعلےٰ درجہ کی سکیمیں ایسی نہ تھیں
کہ وہ برطانوی لوگوں کو ان کی طرف سے مطمئن رکھتیں۔ بالآخر ان کو کابل بلکہ
افغانستان سے نکل جانا پڑا۔ حالانکہ افغانستان کی مکمل آزادی تسلیم کی جا چکی تھی۔
یہ دھکا تھا جس کا سخت صدمہ ان کے قلب اور دماغ کو اٹھانا پڑا۔

ہنگامِ عظیم کے زمانے میں ترکی حکومت کو شکست اور عراق۔ شام فلسطین
حجاز اور نجد وغیرہ کا خلافتِ اسلامیہ سے جدا ہو جانا اور صلیبی اقتدار کے
ماتحت آجانا کوئی معمولی صدمہ نہ تھا۔ اس نے ہر مسلمان کے قلب پر نہایت زہریلے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سانپ لوٹائے۔ بالخصوص اصحاب حمیت اور باغیرت مسلمانوں کو تو انتہائی تکلیف پیش آئی۔ مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم کے قلب اور قلب و دماغ پر اس کا جو کچھ اثر ہوا وہ سوائے خداوند کریم کے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ وہ چوتھا عظیم صدمہ تھا جس کو ان کے قلب اور دماغ کو برداشت کرنا پڑا۔

مولانا مرحوم افغانستان سے جدا ہو کر روسی ممالک میں پھرتے ہوئے بخارا، ماسکو، اٹلی، استنبول وغیرہ پہنچے، اور سالہا سال ان سخت سے سخت سرد اور اجنبی ملکوں میں سرگردان اور پریشان رہے۔ اعزہ و اقربا ساتھ نہ تھے یار و احباب ہمدردی کرنے والے موجود نہ تھے۔ مال و متاع جس سے غربت اور مسافرت کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں موجود نہ تھا۔ نیز خبر گیری اور امداد کی جھلک بھی نہ تھی۔ استاد مرحوم (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) جن کا سہارا ظاہری شمار کیا جا سکتا تھا۔ مالٹا میں قید تھے، پے در پے مہینوں فاقے کرنے پڑے میل ہا میل پیدل چلنا پڑا۔ برف کے ڈھکے ہوئے ملکوں میں جاڑے کی سخت تکالیف جھیلنی پڑیں۔ تنہائی اور کس مپرسی کا عذاب برداشت کرنا پڑا غیر مسلم، ناواقف زبان نہ جاننے والے اجانب میں بسر کرنا پڑا۔ ان عظیم الشان صدمات اور جانگداز احوال میں مولانا کا زندہ واپس آجانا قدرت کے اعجوبات میں سے نہیں تو کیا ہے۔

وطن اور مذہب کی آزادی کے لئے اور بھی متعدد اشخاص نے مشکلات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور مصائب جھیلی ہیں۔ مگر مولٰنا عبیداللہ مرحوم کی سی مشکلات کس نے جھیلیں۔ اگر غور کیا جائے تو پہاڑ اور ذرے کا فرق پایا جائے گا۔ ان مصائب عظیم غیر متناہیہ نے اگرچہ مولٰنا مرحوم کو موت کے گھاٹ تک پہنچانے میں شکست کمائی اور مولٰنا کی سخت جانی ہی غالب رہی۔ تاہم وہ مولٰنا کے دماغ اور قلب کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ مولٰنا دماغی توازن کھو بیٹھے۔ صبر و تحمل، حلم و بردباری استقلال اور گراں باری وغیرہ نے جواب دے دیا۔ فکر، غور اور جوانب طبع جو کہ مولٰنا مرحوم کو مضامین عالیہ اور سیاسیات مدینہ کی عمیق سے عمیق گہرائیوں تک پہنچانے والے تھے۔ وہ تقریباً کافور ہوگئے۔

مولٰنا مصائب جھیلتے ہوئے جب حجاز پہنچے اور ہم کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے تو ان کی حالت دیکھ کر ہمارے تعجب اور تحیر کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہم نے دیکھا کہ مولٰنا کی وہ متانت اور رزانت، حلم و بردباری، وہ سکون و سکوت جن کو ہم پہلے مشاہدہ کرتے تھے۔ سب کے سب تقریباً رخصت ہو چکے ہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں، چیخنے چلّانے لگتے ہیں۔ غصہ آجاتا ہے اس میں بہت زیادہ کرنے لگتے ہیں۔ بسا اوقات ایک ہی مجلس میں متضاد امور سرزد ہوتے ہیں۔

ہندوستان تشریف لانے کے بعد بھی ان متضاد امور میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہی رہا جس کی بنا پر ہم کو یقین ہوگیا کہ مولٰنا کے دماغی توازن پر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کاری اثر پڑا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جو ناسازا حوال اور گوناگوں صدمات عظیمہ ان کو پیش آئے تھے ان کا یہ اثر بہت ہی کمترین اثر تھا۔ چنانچہ متعدد مجالس میں خود مولانا بھی اس کے مقر ہوئے۔ ایسے احوال میں یقیناً ہر چیز کا جادۂ اعتدال و استقامت سے ہٹ جانا اور جملہ شئون میں اختلال پیدا ہو جانا طبعی بات ہے۔

چنانچہ یہ ماغی اختلال نہ صرف مولانا کی سیاسیات ہی تک محدود رہا بلکہ علمی اور مذہبی تقاریر اور تحریرات تک بھی متجاوز ہوا۔ اور اسی امر نے مولانا کی اعلےٰ قابلیت اور بیش از بیش قربانیوں کے ہوتے ہوئے ہندوستانی پبلک اور سیاسی رہنماؤں میں اس پوزیشن اور رتبہ کو مولانا مرحوم کے لئے حاصل نہ ہونے دیا جس کے وہ یقیناً مستحق تھے۔ مولانا کا کلام ان کی شدت ذکاوت اور بہاتِ علمی کی بنا پر پہلے بھی بہت زیادہ دقیق ہوتا تھا جس کو سمجھنے کے لئے اہلِ علم و فہم کو بھی غیر معمولی غور و فکر کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کے قابل اور غیر معمولی نتائج ہیں آخری دور میں بھی جب کہ وہ مصائب کی بوقلمونیوں کا شکار ہو چکا تھا۔ برس ہا برس کی جد و جہد اور اعلےٰ استعداد کی بنا پر ایسے سیاسی اور نظری حقائق بھی ظہور پذیر ہوتے رہے۔ جو اہلِ فکر کے لئے دعوتِ فکر و نظر کا سامان تھے۔ ان سے اصحابِ فہم حضرات اصولی طور پر پرکھ کر صحیح نتائج کا استخراج کر سکتے ہیں۔ مگر اب اس حادثہ کی بنا پر اور بھی زیادہ الجھنیں پیدا ہونے لگیں۔ چنانچہ مشاہدہ ہے۔

بنا بریں تمام اہلِ فہم اور اربابِ قلم و علم سے پرزور درخواست ہے کہ مولانا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

yspot.com

مرحوم کی کسی تحریر کو دیکھ کر اس وقت تک اس پر کوئی حتمی رائے قائم نہ فرمائیں۔
جب تک کہ اس کو اصول اور مسلمات اسلامیہ اور ضروریات دین اور عقائد و
اعمال اہل سنت والجماعت کے زریں قواعد و تالیف پر پرکھ نہ لیں۔ اور علیٰ
ہذا القیاس مولانا کے کسی کلام کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اسلاف
واکابر دیوبند کا مسلک بھی نہ سمجھیں جب تک کہ اسی کسوٹی پر اس کو کس نہ لیں۔ یہ
حضرات اکابر جملہ عقائد و اعمال میں خواہ وہ فروع سے تعلق رکھتے ہوں یا اصول
سے سلف صالحین اور ان کے اصول و قوانین سلمہ اہل سنت والجماعت ہی کے تابع
رہیں اور اس کی تعلیم و تلقین کرتے رہے ہیں۔ واللہ الموفق۔ ربنا ارنا الحق حقا
وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ

اور

مولانا عبیداللہ سندھی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مولانا شیخ الہند کی تحریک اور مولانا عبید اللہ سندھی کے سفر کابل کے متعلق رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے پیراء ۱۶۴ میں کچھ حالات درج ہیں اگرچہ یہ حالات نہایت مجمل ہیں مگر سفرنامہ کے بعض مقامات کو حل کرنے اور حکومت کے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لئے اس حصہ کا یہاں نقل کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ اس رپورٹ کی ایک خاص غلطی یہ ہے کہ اس میں مولانا سندھی کو تحریک کا بانی اور مولانا شیخ الہند کو اس کا مؤید ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کے واقعات کا انکشاف ہوا اور حکومت کو اس سازش کا پتہ چلا۔ یہ ایک منصوبہ تھا جو ہندوستان میں اس خیال سے تجویز کیا گیا تھا۔ کہ ایک طرف شمال مغربی سرحدات پر گڑبڑ پیدا کر کے اور دوسری طرف ہندوستانی مسلمانوں کی شورش سے اُسے تقویت دے کر برطانوی راج کو ختم کر دیا جائے۔ اس منصوبہ کو مضبوط کرنے اور عمل میں لانے کے لئے مولوی عبیداللہ نامی ایک شخص نے اپنے تین ساتھیوں عبداللہ، فتح محمد اور محمد علی کے ساتھ اگست ۱۹۱۵ء میں شمال مغربی سرحد کو پار کیا۔ عبیداللہ پہلے سکھ تھا بعد میں مسلمان ہوا۔ اور دیوبند ضلع سہارنپور کے مذہبی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے مولوی بنا۔ وہاں اس نے اپنے باغیانہ اور برطانیہ کے خلاف خیالات کا زہر چند مدرسین اور طلبہ میں بھی پھیلا دیا۔ جن لوگوں پر اس نے اپنا اثر ڈالا۔ ان

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سب سے بڑی شخصیت مولانا محمود حسن کی تھی۔ جو مدتوں تک درس گاہ دیوبند کے
مدرس رہے۔ عبیداللہ چاہتا تھا کہ دیوبند کے مشہور و معروف فارغ التحصیل
طلبا کے ذریعہ ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف ایک عالمگیر اسلامی
(اسلامک) تحریک چلائے مگر مہتمم اور ارباب شوریٰ نے اس کو اور اس
سے وابستگان کو نکال کر اس کی تجویز کو درمیان میں ہی ختم کر دیا۔ مولانا محمود حسن
سال میں دیوبند میں ہی رہے اور عبیداللہ سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا
کے مکان پر خفیہ مجالس قائم ہوتیں اور کہا جاتا ہے کہ سرحد کے کچھ آدمی بھی ان
میں شریک ہوا کرتے۔ ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو (مولانا) محمود حسن نے میاں محمد نامی ایک
اور دوسرے دوستوں کے ساتھ مولوی عبیداللہ کی پیروی کی اور ہندستان
چھوڑ دیا مگر یہ لوگ شمال کا رخ کرنے کی بجائے عرب کے خطۂ حجاز میں پہنچ گئے۔
روانہ ہونے سے پیشتر عبیداللہ نے دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔
اور کتابیں شائع کی تھیں جن میں اس نے باغیانہ تعصب کی تبلیغ کر کے ہندستانی
مسلمانوں کو فریضۂ جہاد سے متاثر کرنا چاہا تھا۔ اس شخص نو مولانا عبیداللہ اس
کے دوسرے دوستوں اور مولانا (شیخ الہند) کا اہم مقصد یہ تھا کہ بہ یک وقت
ہندستان پر باہر سے حملہ بھی کرایا جائے اور ہندوستانی مسلمانوں میں بغاوت بھی
پھیلائی جائے۔ ہم اس جدوجہد کی تفصیل بتلاتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے مقصد

* صفحہ انصاری جن کا انتقال گذشتہ جنوری میں کابل میں ہوا۔ محمد عبدالقدوس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کو کامیاب بنانے کے لئے عمل میں لائی۔

عبیداللہ اور اس کے دوستوں نے پہلے ہندوستانی متعصب Fanatics جماعت (مجاہدین) سے ملاقات کی اور بعد میں کابل پہنچے۔ وہاں عبیداللہ کی ملاقات ترکی جرمنی مشن سے ہوئی اور ان کے ساتھ اس نے بھائی چارہ قائم کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا دیوبندی مدرست محمد میاں بھی اس سے جا ملا۔ یہ شخص مولانا محمود حسن صاحب کے ساتھ عرب گیا تھا۔ اور وہاں سے ۱۹۱۶ء میں جہاد کا ایک اعلان حاصل کر کے واپس آیا تھا۔ جو مولانا نے حجاز کے ترکی سپہ سالار غالب پاشا سے وصول کیا تھا۔ یہ دستاویز غالب نامہ کے نام سے مشہور ہے۔ محمد میاں نے اس کی کاپیاں راستہ میں ہندوستان اور سرحدی قبائل دونوں جگہ تقسیم کیں۔ موری عبیداللہ اور اس کے رفیق ساتھیوں نے برطانوی حکومت کے خاتمہ پر موقت حکومت کے لئے ایک تجویز تیار کی تھی۔

اس تجویز کے مطابق مہندر پرتاپ[1] نامی ایک شخص کو صدر ہونا تھا۔ یہ شخص ایک معزز خاندان کا جو شیلا ہندو ہے۔ ۱۹۱۴ء کے اخیر میں اسے اٹلی، سوئیزرلینڈ اور فرانس جانے کا پاسپورٹ دیا گیا۔ یہ سیدھا جنیوا گیا۔ اور وہاں سے بدنام زمانہ

[1] راجہ مہندر پرتاپ جو اگست ۱۹۱۴ء میں ہندوستان آگئے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہردیال سے ملا۔ ہردیال نے اُسے جرمن قونصل سے ملایا۔ وہاں سے یہ برلن آیا۔ ظاہر اس نے وہاں جرمنوں کو اپنی اہمیت کے مبالغہ آمیز تصور سے متاثر کیا۔ وہاں سے ایک خاص مشن پر کابل بھیجا گیا۔

خود مولانا عبید اللہ کو وزیر ہند اور (مولانا) برکت اللہ کو وزیر اعظم بنتا تھا۔ مولانا برکت اللہ کو شنا وما کا دوست اور امریکن غدر پارٹی کا ممبر تھا۔ اور برلن سے راستے کابل پہنچا تھا۔ وہ ریاست بھوپال کے ایک ملازم کا لڑکا تھا۔ اور امریکستان امریکہ اور جاپان کی سیاحت کر چکا تھا۔ ٹوکیو میں وہ ہندوستانی زبان کا

ہردیال دہلی کا باشندہ اور پنجاب یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ آکسفورڈ میں تعلیم پورا کرنے کے لئے ۱۹۰۸ء سرکاری وظیفہ لے کر انگلینڈ پہنچا۔ اس وظیفہ کی آخری قسط کو اس نے یہ کہہ کر واپس کیا کہ اُسے ستان کے تعلیمی نظام کی طرف سے کوئی اطمینان نہیں ۱۹۰۸ء میں وہ ہندوستان آیا اور ۱۹۰۹ء میں لاہور میں اس کی اجارکہ کے تبلیغ شروع کی کہ ہر برطانوی چیز کی بائیکاٹ کر کے ہندستان میں برطانوی حکومت کا خاتمہ اس کے بعد اس نے ہندستان چھوڑا اور امریکہ پہنچ کر غدر پارٹی کی بنیاد رکھی ۱۹۱۱ء میں وہ سان فرانسسکو اور یاست ائے متحدہ کے مختلف مقامات پر جلسوں میں تقریریں کر کے انجمنیں قائم کیں اور ان سے کہا کہ وہ ہندوستان میں انگریزی راج کا خاتمہ کرنے کے غدر کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ اس کی پالیسی بلکل آشرم تھا یا اخبار کئی ہندستانی زبانوں میں چھپتا تھا۔ امریکہ کے ہندوستانیوں میں تقسیم کرنے کے ہندستان میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کاموں میں ہردیال کے کئی معاون تھے جن میں سے ایک ہندو رام چندر مسلمان مولانا برکت اللہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے ۱۹۱۲ء میں اُسے امریکن حکومت نے گرفتار کیا مگر اس نے ضمانت پر رہائی حاصل کی۔ وہاں سے وہ بھاگ کر سوئٹزرلینڈ پہنچا۔ ستمبر ۱۹۱۴ء میں ایک لوجوان کو کر جرمن پلائی ہمدرد انٹرنیشنل سوشلسٹ پارٹی کمیٹی نے زیورچ کے جرمن قونصل سے جرمنی میں انٹرنیشنل کانفرنس کرنے کی اجازت حاصل کی۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں یہ نوجوان جرمن دفتر خارجہ کے ماتحت

(باقی حاشیہ پر صفحہ ۵۷)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پروفیسر مقرر ہوا تھا۔ وہاں اُس نے برطانیہ کے خلاف سخت لب و لہجہ کا ایک اخبار جاری کیا جس کا نام اسلامک فریٹرنٹی (اسلامی برادری) تھا۔ حکومت جاپان نے اس کے اخبار کو بند کر کے اُسے پروفیسری سے معزول کیا۔ اور وہ جاپان کو چھوڑ کر امریکہ میں اپنی غدر برادری سے جا ملا۔

سنہ ۱۹۱۶ء کی ابتداء میں مشن کے جرمنی ممبر اپنے مقصد میں ناکام ہو کر افغانستان سے چلے گئے۔ ہندوستانی ممبر وہیں رہے۔ اور حکومت موقتہ (پروویژنل گورنمنٹ) نے روس ترکستان کے گورنر اور زار روس کو خطوط بھیجے۔ جن میں روس سے برطانیہ کا ساتھ چھوڑنے اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کا خاتمہ کرنے کے لئے امداد کی دعوت دی گئی تھی۔ ان خطوط پر (راجہ) مہندر پرتاپ کے دستخط تھے۔ اور یہ خطوط بعد میں برطانیہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ زار کو جو خط لکھا گیا تھا وہ سونے کی تختی پر تھا۔ اور اس کی ایک تصویر ہمیں (رولٹ کمیٹی کے ارکان کو) دکھلائی گئی ہے۔

حکومت موقتہ کی ایک تجویز یہ تھی کہ ترکی حکومت سے روابط قائم کئے جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے (مولانا) عبیداللہ نے اپنے پرانے دوست مولانا محمود حسن (شیخ الہند رح) کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط کو ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶) کام کرنے کے لئے برلن چلا گیا اور وہاں انڈین نیشنل پارٹی قائم کی۔ جو جرمن حکومت سے ملحق تھی اس پارٹی کے ممبروں میں برکت اللہ اور مولانا برکت اللہ بھی شامل تھے۔ (رولٹ کمیٹی رپورٹ فصل پنجم)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دوسرے خط کے ساتھ جو ۸ رمضان (۹ جولائی ۱۹۱۶ء) کو محمد میاں انصاری نے لکھا تھا ملا کر ایک لفافہ میں شیخ عبدالرحیم کے پاس حیدرآباد سندھ بھیجا گیا شیخ عبدالرحیم تب سے غائب ہے۔ لفافہ پر ایک تحریر تھی جس میں شیخ عبدالرحیم سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ یہ خطوط کسی قابل اعتماد حاجی کے ذریعہ مولانا محمود حسن صاحب کے پاس مکہ پہنچائے جائیں۔ اور اگر کوئی دوسرا قابل اعتماد حاجی نہ مل سکے تو شیخ صاحب خود ہی یہ خدمت سرانجام دیں۔ (مولانا) محمود حسن کے نام کے خطوط جو حکومت برطانیہ کے ہاتھ آئے ہیں، ہم نے خود دیکھے ہیں۔ یہ خطوط (سرد ریشم پر صاف اور واضح لکھے گئے ہیں۔ محمد میاں کے خط میں جرمن اور ترک مشن کی سابقہ آمد، جرمنوں کی واپسی اور ترکوں کے معطل قیام۔ بھاگے ہوئے

لہ غالباً یہ اچاریہ جے پی کرپلانی کے بھائی تھے جو مسلمان ہوگئے تھے (مولانا عبیداللہ ص ۱۳۲) مولانا کے سفر کابل میں زادِ راہ مہیا کرنے کے لئے ان کی بیوی اور صاحبزادی نے اپنا سارا زیور بیچ ڈالا تھا (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۱۳)

۵۷ ۱۹ فروری ۱۹۱۵ء تاریخ کے لئے جو سازش تیار ہوئی تھی، اس کا مقصد ایک رجمنٹ کے اسلحہ خانہ اور میگزین پر حملہ کرنا تھا۔ اس تاریخ کو ۴ آدمی جن میں سے کچھ مسلم تھے۔ ریل کے ذریعہ فیروزپور پہنچے۔ مگر فوج نے پیش بندیاں کی تھیں اور یہ سازش ناکام رہی (ان میں سے) پندرہ مسلمان طالب علم سرحد کے ہندوستانی متعصبین (مجاہدین) سے جاملنے کے لئے نکل چکے تھے (رولٹ کمیشن رپورٹ فصل پنجاب)

پیرا ۱۶۲ : ہم نے پنجاب سے متعلق فصل میں بتایا ہے کہ فروری ۱۹۱۵ء میں لاہور کے پندرہ طلبا نے کالج چھوڑا اور مجاہدین کے ساتھ جاملے۔ اس کے بعد وہ کابل گئے۔ وہاں ان کو پہلے تو سختی سے نظربند میں رکھا گیا۔ اور بعد میں رہا ہو کر نگرانی کے تحت نقل و حرکت کی اجازت

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۵۹)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(مہاجر طالب علموں کے واقعات غالباً نامہ کی اشاعت کا ذکر تھا۔ اور حکومت مرتفہ اور ایک حزب اللہ کے قیام کی تجویز درج تھی۔ اس فوج کے لئے بھرتی ہندوستان سے کرنی تجویز ہوئی تھی۔ اور اس کا کام اسلامی حکومتوں کے درمیان سلسلہ اتحاد کا قائم کرنا تھا (مولانا) محمود حسن سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ یہ سارے واقعات سلطنت عثمانیہ تک پہنچا دیں۔ (مولانا) عبید اللہ کے خط حزب اللہ کا مرتب و مکمل نقشہ تھا۔ اس فوج کا مرکز مدینہ میں قائم ہونا تھا۔ خود (مولانا) محمود حسن صاحب کو اس کا سالار اعلیٰ بننا تھا۔ ثانوی مراکز مقامی سالاروں کے ماتحت قسطنطنیہ، طہران اور کابل میں قائم ہونے تھے۔ اور کابل کا سالار (مولانا) عبید اللہ کو بننا تھا۔ اس فہرست میں تین سرپرستوں۔ بارہ جرنیلوں اور کئی اور اعلیٰ فوجی عہدہ داروں کے نام درج ہیں۔ لاہور کے طلبہ میں سے ایک کو میجر جنرل بننا تھا۔ ایک کو کرنل اور چھ کو لفٹنٹ کرنل۔ ان اعلیٰ عہدوں کے لئے جن اشخاص کو تجویز کیا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر کے ساتھ اس تقرر کے بارے میں ملاقات نہ ہو سکی تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) دی گئی۔ وہ ہندوستان واپس آئے تین کو حکومت روس نے گرفتار کر کے برطانوی حکومت کے حوالہ کیا۔ انہوں نے اپنے برتاؤ کے متعلق ندامت کا اظہار کیا اور انہیں مشروط معافی مل گئی ان پندرہ طلبا کو ان کے مداحوں نے مہاجرین کا لقب دیا تھا۔ ان میں سے جو وہ واپس ہوئے۔ ان کے بیانات ہم نے پڑھے ہیں۔ ایک طالب علم تو ایک مطبوعہ ٹریکٹ سے متاثر ہوا تھا جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ سلطان ترکی نے یہ اعلان کیا ہے کہ چونکہ برطانوی حکومت کی طرف سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کر کے ان مقامات کی بے حرمتی کرنے کا خطرہ ہے اس لئے ہندوستانی مسلمانوں کو ہجرت کر کے کسی اسلامی ملک میں جانا چاہیئے دوسرے طالب علم کو تو اسی سلطانی اعلان سے جوش آیا تھا اور ایک انگریزی اخبار کی ایک تصویر سے بھی اُسے صدمہ پہنچا تھا جو اس کے خیال میں نفرت کی لہریں پیدا کرنے والی تھی۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مگر اس ساری اطلاع کی وجہ سے بریشمی خطوط میں دی گئی تھی۔ چند پیش بندیاں مناسب سمجھی گئیں اور وہ عمل میں لائی گئیں۔

۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن اور اس کے ۴ ساتھی برطانوی حکومت کے قبضہ میں آگئے۔ اور وہ اس وقت برطانوی نگرانی میں جنگی قیدی ہیں۔ غالب نامہ پر دستخط کرنے والا غالب پاشا بھی جنگی قیدی ہے۔ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ محمود حسن پارٹی نے میرے سامنے ایک خط رکھا تھا۔ اور میں نے اس پر دستخط کئے ہیں اس خط کے مشہور حصوں کا ترجمہ ہے

"ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مسلمان اپنے آپ کو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح کر کے خدا کے راستے میں جہاد کرنے کیلئے کود پڑے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ترکی فوج اور مجاہدین اسلام دشمنوں پر غالب آگئے ہیں۔ اس لئے مسلمانو! جس ظالم عیسائی حکومت کے بند میں تم پڑے ہوئے ہو۔ اس پر حملہ کر دو۔ دشمن کو مرنے پر مجبور کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ اپنی ساری جدوجہد عمل میں لانے کی جلدی کرو۔ اور ان پر اپنی نفرت اور دشمنی کا اظہار کرو۔ یہ بھی تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مولوی محمود حسن آفندی (سابق مدرسہ دیوبند ہندوستان سے تعلق رکھنے والے) ہمارے پاس آئے اور ہمارا مشورہ طلب کیا۔ ہم نے اس بارے میں اس سے اتفاق کیا۔ اور ضروری ہدایات دیں۔ اگر وہ تمہارے پاس آئے تو تمہیں اس پر اعتماد کرنا چاہیئے اور آدمیوں روپوں اور ہر اس چیز کے ساتھ ان کی امداد کی جائے جس کی ضرورت اسے پیش آسکتی ہو۔"

۱؎ مولانا سید حسین احمد صاحب، مولانا عزیر گل صاحب، مولانا حکیم نصرت حسین صاحب۔ مولانا وحید احمد صاحب۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سفرنامۂ کابل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کابل میں ہمارے سات سال

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہندوستان سے روانگی ۱۳۳۳ھ مطابق اگست ۱۹۱۵ء کو میں کابل کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے تخمیناً چار مہینے پہلے ہندستان چھوڑنے کا ارادہ مصمم کر چکا تھا۔ اپریل ۱۹۱۵ء کے شروع میں دہلی سے سندھ چلا آیا۔ اور چار مہینے مختلف مقامات پر گذرے۔ دوستوں سے آخری ملاقات اور ضمناً راستے کے خطرات سے محفوظ رہنے کے تدابیر میں مصروف رہا۔ بفضلہٖ تعالےٰ بلوچستان سے گزر کر ۱۷ اگست کی نماز مغرب سرحد افغانستان میں پڑھی۔ اور توکل علی اللہ بغیر کسی پاسپورٹ حاصل کرنے کے افغانستان میں داخل ہوا۔

افغانستان میں داخلہ جس حصۂ ملک میں ہم داخل ہوئے وہ سوراب کا علاقہ تھا۔ وہاں کے حاکم سے ملا۔ پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں شکوک پیدا ہونے لگے۔ مگر ہماری درخواست سن کر کہ آپ ہمیں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سرکاری حفاظت سے قندھار پہنچا دیں۔ وہاں ہم حکومت کو مطمئن کر دینگے چند سوالات پوچھے۔ اس کا جواب ان کے رفع شبہات کے لئے کافی تھا۔ اس لئے ہمیں حکومت کا معزز مہمان قرار دیا۔ اور ہمارے قندھار پہنچانے کا سب انتظام کر دیا۔ قندھار میں ہمارے بعض آشنا مل گئے۔ ان کا حکومت میں اچھا رسوخ تھا۔ اور ہمیں اچھی طرح جانتے تھے۔ اس لئے نائب الحکومت نے چند روز نہایت احترام سے مہمان رکھا۔ فقط کابل کے سفر کا نہیں بلکہ چند روز کابل میں رہنے کا بھی انتظام کر دیا۔ اسی طرح ہم ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے۔ اتفاقاتِ زمانہ میں یہ بھی ایک عجیب بات سمجھی جائے گی۔ کہ اسی تاریخ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو ہمیں کابل سے سفر کرنے کا پاسپورٹ مل گیا۔ اگرچہ ہماری روانگی ۲۲ اکتوبر کو عمل میں آئی۔ ان سات سال اور سات دن میں جو کچھ ہم نے دیکھا اس کا اکثر حصہ اس قابل نہیں کہ عام طور پر کتابوں میں لکھا جائے لیکن کسی قدر واقعات لکھنے کو ہمارا جی چاہتا ہے۔ اس سے پہلے چند فصول افغانستان اور اس کی سلطنت کے متعلق لکھتے ہیں۔ تاکہ ہمارا مطلب سمجھنے میں آسان ہو۔

تمہید پشتو۔ ایران اور ہندوستان کی سرحد پر ایک خاص زبان بولنے والی قوم آباد ہے۔ اسے فارسی میں پوشتانہ اور ہندی میں پٹھان کہا جاتا ہے کیونکہ اس قوم میں مختلف عناصر مخلوط ہیں۔ ترک، ایران، یونانی،

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ارمنی، یہودی، عرب سب قوموں کے آثار ملتے ہیں لیکن جہاں تک ہم تحقیق کر سکے۔ ہم اس قوم کو ہندی قدیم اقوام کا ایک حصہ مانتے ہیں اور "پشتو" کو سنسکرت کے فروع میں سے جانتے ہیں۔ تاریخ عینی اور کامل ابن الاثیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہاڑی قومیں اس وقت سلطان محمود کی فوج میں داخل ہوئیں۔ جبکہ سلطان نے جیپال راجہ لاہور کو شکست دے کر نغان کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ جہاں اس وقت تک ہندو بت خانے موجود ہیں۔ باوجودیکہ یہ لوگ فوج میں ابھی داخل نہیں ہوئے تھے مگر انہوں نے شہاب الدین غوری کے زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

پشتو گرامر فارسی کے مقابلہ میں سنسکرت سے زیادہ ملتی ہے فعل کا مفرد اور جمع بنانا فارسی میں فاعل کے تابع ہے۔ اور ہندی میں مفعول کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

پشتو اس میں ہندی کے تابع ہے پشتو حروف ہجا میں ایک ایسا لفظ پایا جاتا ہے۔ جسے بعض قبائل شین پڑھتے ہیں۔ اور دوسرے اسے خ کی طرح تلفظ کرتے ہیں۔ بعینہٖ یہ حرف ہندی حروف ہجا میں پایا جاتا ہے۔ پٹھانوں کے بعض قبائل ایسے ناموں سے مشہور ہیں جس نام کی ہندو قومیں ہندوستان میں بستی ہیں۔ جیسے بہٹر وغ لودھی ایک ہی قبیلہ کے افراد ہیں۔ جو قندھار میں بستے ہیں مسلمان ہیں۔ اور جو بلوچستان میں بستے ہیں۔ ہندو ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

افغانستان اصل میں پشتو بولنے والے علاقے کا نام ہے۔ پرانا لفظ اوگانستان معلوم ہوتا ہے۔ اس علاقے کا ایک حصہ سلطنت افغانیہ کا اساس قطعہ سمجھا جاتا ہے۔ قندھار، قلات، غلزئی، غزنی، جلال آباد اس کے بڑے شہر ہیں۔ اس کا دوسرا حصہ بدقسمتی سے ہند کے برطانوی سلطنت میں داخل ہے جسے شمال مغربی سرحدی صوبہ کہا جاتا ہے۔ اور ہم اسے پشتانیہ کہتے ہیں۔ پشاور، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ اسمٰعیل خاں اس کے بڑے شہر ہیں۔ صوات، باجوڑ اس کی سرحدی ریاستیں ہیں۔

ہمند، وزیر، مسعود میں قومی حکومتیں ہیں۔ سلطنت افغانیہ کا مشرقی بالا افغانستان ہے۔ اور ہندوکش سے اوپر افغانی ترکستان ہے جس میں ہمند بلخ بخارا، بدخشاں واقع ہیں۔ مغربی حصہ ہرات کا صوبہ ایران کا ایک حصہ ہے جو افغانوں نے فتح کر لیا تھا۔ سلطنت کے اساس نظام میں دہلی کے اکبر شاہی نظام کے دھندلے سے نشان ملتے ہیں۔ حکومت کی زبان فارسی ہے۔ جس میں ہندی الفاظ کثرت سے مستعمل ہیں۔ اسی طرح ترکی الفاظ کی آمیزش بھی کافی کثرت سے موجود ہے۔

دارالسلطنتِ کابل دارالسلطنت میں ایرانی، افغانی، ترک، ہندی آبادیں۔ تجارت میں، زراعت میں، ملازمت میں سب شریک ہیں (اس وقت ہندی سے ہماری مراد ہندو اور سکھ ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جو افغانستان کی آبادی کا ایک اہم عنصر ہے) ہم جس وقت کابل پہنچے اس وقت ان کے علاوہ دارالسلطنت میں اور بھی ہندوستانی ملتے تھے جنہیں ہم مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) ہندوستان کے ہندو اور مسلمان تجارت کے لئے افغانستان میں کثرت سے آمد و رفت رکھتے ہیں۔ سندھی ہندو۔ اور پشاوری مسلمان ممتاز نظر آتے ہیں۔ پشاور میں مسلمانوں کا ایک حصہ انگریزی سرمایہ سے تجارت کرتا ہے ان کے گماشتے افغانستان پر چھائے ہوئے ہیں۔

(۲) بہت پرانے زمانے سے لے کر افغانستان سے عربی زبان میں تکمیلِ علم دین کے لئے اکثر طالب علم ہند کے دینی مدارس میں آتے ہیں۔ یہ لوگ ہندی زبان جانتے ہیں۔ ہندوستانیوں سے زیادہ مانوس ہو جاتے ہیں۔

(۳) جب سے امیر حبیب اللہ خاں نے یورپین علوم و فنون کی ترویج پر توجہ فرمائی ہے۔ اس وقت سے معلمین کی ایک جماعت کابل میں ہمیشہ رہتی ہے یہ لوگ اکثر پنجابی ہیں۔

(۴) ان کے ساتھ پنجابی مسلمان طبیبوں کی بھی ایک جماعت ہے۔ جن میں ایک آدھ اچھا ڈاکٹر ہے۔ باقی سب کے سب کمپوڈر یا ڈاکٹر نما طبیب ہیں انہیں بہت اچھی تنخواہیں ملتی ہیں۔ اور پرائیویٹ معالجہ سے بھی کافی روپیہ کما لیتے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۵) کابل میں چند ہندوستانی معلم ایک سیاسی سازش کے الزام میں مشرقی پسند افغانوں کے ساتھ جیل میں مقید ہیں۔

(۶) پنجاب کے کالجوں سے چند تعلیم یافتہ[1] نوجوان ترکی کی حمایت میں ہندوستان چھوڑ کر افغانستان سفر کرتے ہوئے پکڑے گئے۔ جو پولیس کی حفاظت میں کابل میں رہتے ہیں۔ اس زمانے میں میرے دو معزز دوست شیخ محمد ابراہیم ایم۔اے اور مولوی محمد علی قصوری ایم۔اے تعلیمی صیغہ ملازمت کے لئے کابل پہنچ گئے اور حبیبہ سکول میں کام پر لگائے گئے۔ شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ میں نے اپنا عزیز بھتیجا عزیز احمد ابن حبیب اللہ کو بھی کابل روانہ کر دیا تھا۔ کہ وہیں حبیبہ سکول میں تعلیم حاصل کرے۔

(۷) اکتوبر ۱۹۱۵ء کے پہلے ہفتے میں ہندوستانیوں کا ایک سیاسی مشن کابل پہنچ چکا ہے۔ جس میں ترک اور جرمن بھی شریک ہیں۔

اعلیحضرت امیر حبیب اللہ خاں (شہید) اگر امیر کی پرائیویٹ زندگی سے قطع نظر کیجئے تو انہیں بشاہ اصلاح پسند کہنا چاہیئے ہمیں اپنی اس رائے کے اظہار کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ اگر امیر عبدالرحمن کے بعد امیر شہید جیسا بادشاہ نہ آتا۔ تو افغانستان میں کبھی بھی موجودہ ترقی کا دور جاری نہ ہو سکتا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے دو

[1] ۱۹

مدارس حبیبیہ حربیہ اور دو شفا خانے۔ ملکی انتظامی نئی طریقے پر بنائے۔ حبیبیہ سکول کا نظام تمام تر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھا۔ حافظ احمد الدین بی۔اے اس وقت ہیڈ ماسٹر تھے۔ شیخ محمد ابراہیم ایم۔اے کو میں نے انہیں کے معرفت کابل بھجوایا تھا۔ اس کے ساتھ مولوی محمد علی قصوری ایم۔اے کو حافظ جی اپنے انتخاب سے لے گئے تھے۔

حربیہ سکول کا انتظام ترک افسروں کے قبضہ میں تھا اسی طرح ملکی شفا خانے کا افسر ڈاکٹر میر عزت بیگ بھی ایک شریف ترک تھا اور نظامی شفا خانہ ایک ہندوستانی ڈاکٹر اللہ جوایا خاں کے پاس تھا لیکن عملہ دونوں شفا خانوں کا ہندوستانی تھا۔ امیر صاحب نے ایک دو نہایت عالیشان عمارتیں بنوائیں جن میں کچھ یورپین انجینئر بھی کام کرتے رہے۔

معاش خانہ معاش خانہ جو امیر عبدالرحمٰن خاں نے بنایا تھا۔ اس میں افغانی۔ ترک۔ ہندوستانی کام کرتے رہے۔ امیر شہید نے اسے برقی قوت سے چلانے کا سامان مہیا کر دیا تھا چل السرج میں برقی قوت پیدا کرنے کا اول درجہ کا معمل تیار کر دیا ہے۔ لیکن اجنبی انجینئر کام کی تکمیل میں روڑے اٹکاتے رہے۔

اعلیحضرت امیر امان اللہ نے استقلال کے بعد چند روز میں کام جاری کر دیا۔ اور اس تکمیل کا سہرا ایک ہندوستانی مسلمان انجینئر کے سر بندھا گیا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امیر شہید نے سراج الاخبار جاری کیا تھا جس کی ادارت کی باگ چند روز بعد سردار محمود طرزی کے سپرد کی گئی۔ سراج الاخبار کے مطبع میں ہندوستانی اور مصری کام کرتے رہے۔ امیر شہید کے اصلاحی کام کا قطب مدار اگر سردار محمود طرزی کو قرار دیا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔ میں اُن کی زندگی کے نشیب و فراز سے خوب واقف ہوں۔ اصلاح افغانستان میں جس قدر ثابت قدمی سے اس مردِ خدا نے جہاد کیا ہے۔ اس کی نظیر مشرقی اقوام میں بہت کم ملے گی۔

امیر شہید نے شرفاء افغانستان کی زندگی کی اصلاح و ترقی میں نمایاں کام کئے۔ کابل سے باہر آپ ایک ایک گھر معمولی حیثیت میں پائیں گے۔ مگر اندر جاکر دیکھیں تو نہایت صاف منظم آراستہ ایک نمونہ ہوگا۔ امیر شہید اگرچہ اعلیٰحضرت شاہِ افغانستان کا مسلّم لقب رکھتے تھے۔ مگر ہوائے ایک انگریزی معمولی تو نصل کے جو عموماً ایک پنجابی مسلمان ہوتا۔ اُن کے دربار میں کسی دوسری دولت کا رسمی طور پر کوئی آدمی نہیں رہتا تھا۔ البتہ مسلمان حکومتوں کے معزز افراد کابل میں اپنی شخصی حیثیت سے ممتاز نظر آتے تھے۔

سردارانِ سلطنتِ افغانیہ

امیر شہید کے چھوٹے بھائی سردار نصراللہ خاں صاحب نائب السلطنت اور امیر شہید کے بڑے صاحبزادے سردار عنایت اللہ خاں معین السلطنت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور منجھلے صاحبزادے سردار امان اللہ خاں معین الدولہ امور سلطنت میں حسب مدارج شریک تھے۔ مثلاً صوبے کا حاکم نائب الحکومت امیر صاحب خود معین فرماتے تھے۔ اس کے ماتحت ہر ضلع کا حاکم سردار نائب السلطنت کے انتخاب سے مقرر ہوتا تھا۔ شرعی فیصلہ کے لئے قاضی سردار معین الدولہ کی طرف سے مامور ہوتا تھا۔ عمومی فوجی بھرتی جسے ہشت نفری کہا جاتا ہے سردار معین الدولہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ان سرداروں کے علاوہ امیر عبدالرحمٰن خاں کے زمانہ سے ایک وزیر جو اس وقت معتمد ہونے کی وجہ سے پنشن پاتے تھے۔ سردار اعتماد الدولہ عبدالقدوس خاں ہیں۔ شاہی خاندان جس قبیلہ کی برانچ ہیں۔ اُسے محمد زئی کہتے ہیں۔ سردار اعتماد الدولہ باعتبار اپنی بزرگی کے تمام محمد زئی کے قومی بزرگ ہیں۔ اس حیثیت سے امیر صاحب بھی ان کے احترام اپنے بزرگوں کی طرح ملحوظ رکھتے تھے۔ مثلاً عید کے روز خود امیر صاحب ان کی خدمت میں جاتے تھے ان کے لئے سلام خانہ کی حاضری معاف تھی۔ سردار اعتماد الدولہ کے دو بھتیجے محمد یوسف خاں اور سردار محمد آصف خاں مصاحبانِ خاص کے لقب سے ملقب تھے۔ اور امیر شہید کے مجالس میں ہمیشہ حاضر رہے ہیں۔ سردار محمد یوسف خاں کے بڑے صاحبزادے سردار محمد نادر خاں سپہ سالار ہیں۔ مصاحبان خاص کے اولاد میں سے آٹھ دس نوجوان شائستہ باہمت کارکن ہیں۔ دوسرے درجہ کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تمام مناصب اکثر انہیں بھائیوں کے ہاتھ ہیں۔ امیر شہید کی حکومت اور
ن کی اصلاحات کو کامیاب بنانے میں اس خاندان کا ممتاز حصہ ہے۔ اور
س کا کریڈیٹ سردار محمد نادر خاں کو دینا چاہیئے۔ سردار محمد نادر خاں تمام
ہندوستانیوں کے محسن اور سرپرست ہیں اور میں تو خاص طور پر اُن کا ممنون
ں۔ اگرچہ ظاہر میں ان سے بہت کم تعلق رہا لیکن میرے ہر مشکل معاملہ میں
د کرتے رہے۔ اور لطف یہ ہے کہ نہ کبھی اس کا اظہار کیا نہ ستائش کی تمنا۔
سلہ کی پروا جس طرح سردار محمود طرزی ترکی معاشرت کے دلدادہ ہیں اسی
ح سردار محمد نادر خاں ہندوستانی معاشرت کے حامی اور پروانہ ہیں۔ ان
رات کے سوا شاہی خاندان اور محمد زئی کے قبیلہ میں بہت سے سردار ہیں
رے افغانی قبائل اور ایرانی خاندانوں کے شرفا اس قدر زیادہ ہیں۔ کہ
دستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں شرفا کی اتنی مقدار مجتمع نہ مل
گی۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باب اوّل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کابل کی اہمیت

ہمارا کابل پہنچنا

ہمارا تعارف

سردار نائب السلطنت
کے حضور میں باریابی

اعلیحضرت امیر حبیب اللہ خاں شہید
کے حضور میں باریابی

ہندوستانی مشن سے ملاقات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کابل کی اہمیت

اِس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ ہندوستانی آزادی پسند لوگوں کے لئے عموماً سب سے زیادہ موزوں مرکز دارالسلطنت کابل ہے۔ اِسے ہندوستان کے منقلب حکمران ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ دہلی کی سلطنت گو آخر میں ضعیف ہو گئی تھی۔ لیکن اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت انگریزوں کو اُس وقت تک نہ ہو سکی۔ جب تک انہوں نے پنجاب پر قبضہ کر کے دہلی اور کابل کا اتصال نہ توڑ دیا۔ اِس سے پہلے مرہٹوں کا قبضہ توڑنے کے لئے دہلی نے کابل اور قندھار سے مدد حاصل کر لی تھی۔ جس میں نجیب الدولہ کا خاص ہاتھ تھا۔ سیاسی مطالعہ کرنے والوں کے علم میں ایک طرح کا اضافہ ہو گا۔ جب انہیں یہ بتایا جائے کہ نواب نجیب الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے خاص معتقد تھے۔ اور اُن کی سیاسی فلاسفی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کو ایمان کا جزو اعظم سمجھتے تھے۔ دوسری دفعہ جب انگریزوں نے دہلی پر تسلط جمایا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے وابستگان حضرت امیر شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید کے رفاقت میں اسی حجاب کو اٹھانے میں مصروف رہے۔ اور قندھار کابل کے راستہ پشاور پہنچ کر دو چار سال کوشش کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ہمارا کابل پہنچنا ہم نے جس حالت میں ۱۳۲۷ھ سے ہند میں زندگی بسر کی۔ اس سے حکومت ہند اچھی طرح واقف تھی ہمارا نصب العین کسی سے مخفی نہ تھا۔ مگر ہمارا کام اتنا تیز نہیں رہا تھا جس سے حکومت ہمیں معطل کرنا ضروری سمجھتی۔ ہماری محبت میں جو لوگ سی۔ آئی۔ ڈی کے مقرر ہوئے تھے۔ ان سے ہمارا برتاؤ اچھا رہا۔ اس کا بھی ہماری آزادی میں کافی اثر ہے۔ کابل جانے کا فیصلہ ہم نے مخفی اپنے استاد، مرشد، مربی حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہٗ کو راضی رکھنے کے لئے کیا تھا۔ ہم اپنی حیثیت و طاقت سے واقف تھے۔ ہم نے بڑی بڑی امیدیں تصور کر کے کبھی مسرور ہونے کی کوشش نہیں کی۔ ہم تصور نہیں کر سکتے تھے کہ کابل پہنچ کر ایک سال سے کم عرصہ میں ہم اپنا مافی الضمیر کسی ذمہ دار افسر سے کہہ سکیں گے۔ اگر خوش ہوتے تو صرف اس پر کہ خدا نے ہمیں اپنے بزرگ کا حکم مان کر ملک چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت مولانا کا ذکر ہم ہر ایک دوست سے نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بعض دوستوں سے جو اس خیال کے مؤید تھے۔ کبھی ہم اُن کا نام ذکر کر دیتے تھے۔ یا اپنا طبعی رجحان ایک مسلم حکومت میں جا لینے کا ذرا تفصیل سے سنا دیتے تھے۔ اسی طرح پر ہم خاص دوستوں سے رخصت ہوئے۔ ہماری طرح کے آدمیوں کو ہندوستان کے حکمران کابل میں کس قدر بدنام کرتے ہیں۔ اس سے ہم واقف تھے۔ پہلے سے چند ہندوستانی ایک سیاسی سازش کے الزام میں محبوس ہیں۔ اس کا جو اثر ہماری پوزیشن پر پڑتا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ ان حالات میں جس قدر احتیاط کرنی چاہیئے۔ ہم نے اس کا کافی انتظام کر دیا تھا۔ قندھار تک تو ہم بلا پاسپورٹ حکومت کی انگرانی میں پہنچ گئے۔ اس وقت سردار محمد یونس خاں قندھار کے نائب الحکومت تھے۔ جو سردار اعتماد الدولہ کے چھوٹے بھائی تھے۔

قندھار میں ہمیں دو شخص ایسے ملے۔ جو نائب الحکومت سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب ہمیں سندھ میں مل چکے تھے۔ اس نائب الحکومت سے ہماری اچھی ملاقاتیں ہوئیں۔ بعض علمی مسائل کا تذکرہ ہوتا رہا۔ اگرچہ مثنوی مولانا روم سے ہمارا اشتغال بہت کم رہا ہے۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ اس امتحان میں کامیاب رہے۔ نائب الحکومت نے ہمیں خاص راہداری دی۔ اور اول درجہ کے سفر کا انتظام کر دیا۔ اپنے پرائیویٹ دوستوں کے نام تعارفی خطوط بھی دیئے۔ غزنی سے ہم نے سردار محمود طرزی کو اطلاع بھیج دی تھی۔ اس لئے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ن کا آدمی ہمیں شیخ محمد ابراہیم کے یہاں سب سے پہلے خوش آمدید کہنے کے
ے آیا۔ وہ نوجوان سردار عبدالہادی خاں تھا۔

ارا تعارف

شیخ محمد ابراہیم کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں اُترے
اور اُن کے توسط سے اُن سب لوگوں سے مل گئے جن
ے لئے ہمارے پاس خطوط تھے۔ اس میں قابلِ ذکر سپہ سالار محمد نادر خاں
سردار محمود خاں طرزی تھے۔ سردار سپہ سالار نے ہمیں ہر طرح امداد دینے
عین دلایا۔ اور ہمارے قیام کابل میں جو سرکاری مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں
کے زائل کرنے پر اپنی تمام توجہ مبذول رکھی۔ احتیاط کا تقاضا یہی تھا۔
بظاہر سپہ سالار سے اجنبی ہیں۔ اور اس پر ہم نے عمل کیا۔ سردار سپہ سالار
خاندان کا ہمارے مشائخ سے خاص رابطہ چلا آتا ہے۔ اِس لئے ان کا ہر قول
اخلاص و محبت پر مبنی تھا۔ ترکی کے شریکِ جنگ ہونے کا اثر سردار محمود خاں
ں پر نسبتاً بہت زیادہ تھا۔ اس لئے ہمارا رابطہ اُن سے زیادہ ہوتا گیا۔
نے ہمیں سردار معین السلطنت سے ملایا۔ اور ایک دن سردار کی معیت
انے پر بلایا۔ اِس سے ہمارا ذکر سلطنت کے تمام سرداروں تک پہنچ گیا۔
انے کے بعد ہم نے پورا ایک دن چھری کانٹا استعمال کرنے کی مشق میں صرف
ور بے تکلف دعوتوں میں شریک ہوتے رہے۔

سلطنتِ افغانیہ میں شرعی فیصلوں کا ایک محکمہ ہے۔ جسے میزان التحقیقات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شرعیہ کہتے ہیں۔ اس محکمہ کا رئیس قاضی عبدالرزاق خاں ہمارے دارالعلوم (دیوبند) کا تعلیم یافتہ ہے۔ حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ سے پڑھی تھی۔ وہ سردار نائب السلطنت سے خاص طور پر وابستہ ہیں۔ جیسے سردار ملازمی معین السلطنت سے اور سردار سپہ سالار اعلیحضرت سے۔ قاضی عبدالرزاق خاں سے ہم چند روز بعد ملے پرانے علمی دوستوں کی یاد تازہ ہوتی رہی۔ ایک عجیب بات وہاں ہمیں یہ نظر آئی کہ ہمارے اس سفر کے متعلق خاص طور پر ان کے پاس اطلاعات موجود تھیں۔ انہیں جب اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ میرا ہی نام عبیداللہ ہے تو بہت مسرور ہوئے۔

سردار نائب السلطنت کے حضور میں باریابی

حاجی عبدالرزاق خاں چاہتے تھے۔ کہ ہمیں سردار نائب السلطنت سے ملائیں۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے غیر رسمی پولیٹکل معاملات سردار نائب السلطنت سے تعلق رکھتے تھے۔ فقط رسمی معاملات اعلیحضرت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ مگر ہم نے وہاں کے حالات کے مطابق انہیں مشورہ دیا کہ ہماری ملاقات سردار معین السلطنت کے توسط سے ہونی چاہیئے۔ اسے انہوں نے پسند کیا۔ اور ہم سے ایک مختصر عریضہ لکھوالیا جس میں ہم نے اپنے مقاصد کا بالاجمال ذکر کیا۔ اس کے ایک روز بعد مجھے سردار معین السلطنت اپنے ساتھ لے گئے۔ سردار نائب السلطنت ہم دونوں سے تخلیہ میں ملے اور دو گھنٹہ تک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مفصل حالات سنے سوالات کئے۔ جوابات سے مطمئن ہوئے۔ یہ ایک طرح کا ہمارا امتحان تھا جس میں ہم بفضلِ خداوند تعالےٰ عزوجل اچھے کامیاب رہے۔ ہمیں محسوس ہوا کہ سردار نائب السلطنت ہماری گفتگو سے محظوظ ہوئے اُن کی خواہش تھی کہ اس مذاکرہ کا خلاصہ فارسی میں لکھ کر ہم اُن کے سامنے پیش کریں۔

میں اسلامی تاریخ کا عموماً مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ اور ہندوستانی تاریخ سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے بعد کا دور میرا خاص مضمون ہے۔ کیونکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کی علمی و سیاسی تحریکیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں لیکن یوروپین طریقہ پر سیاسیات کا مطالعہ مجھ کو زیادہ میسّر نہیں ہوا۔ اُردو یا فارسی، عربی میں اِس نئی طرز کو سمجھنے کے لئے بہت کم کتابیں ملتی ہیں۔ اس لئے ایک عرصہ سے سیاسیات سے واقف تعلیم یافتہ کا اشتراک اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں شیخ محمد ابراہیم نے تاریخ اقتصادیات میں بمبئی یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ کابل آنے سے پہلے ہم نے سیاسی اشتراک اُن سے پیدا کیا تھا اور وہ مجھ سے پہلے پہنچ کر حبیبیہ سکول میں ملازم ہو چکے تھے۔ اس زمانہ فقط وہ میرے مشیر تھے میں نے بہت احتیاط سے اِس پندرہ دن میں سات آٹھ صفحے لکھے۔ اور شیخ محمد ابراہیم کو سنائے۔ اُنہوں نے بعض مفید اضافے کئے۔ اور ہم نے مضمون سردار طرزی اور معین السلطنت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے معرفت سردار نائب السلطنت کے پاس بھیج دیا سردار نائب السلطنت ہمارے طرزِ تحریر سے سمجھ گئے کہ جب تک ہمارے معاملے کا فیصلہ خود اعلیحضرت نہ کریں گے ہم اسے قابلِ اطمینان نہیں سمجھتے۔ انہوں نے شاید ایک ماہ بعد ہمیں اعلیحضرت کے حضور میں پیش کرنے کا انتظام کیا۔

اعلیحضرت امیر حبیب اللہ خاں شہید کے حضور میں باریابی

ایک دن سردار نائب السلطنت نے مجھے اپنے قصر زین العمارۃ میں بلایا اور عصر کے بعد وہیں اعلیحضرت تشریف لائے۔ اعلیحضرت اور سردار نائب السلطنت کے سوا اس کمرے میں اور کوئی آدمی نہ تھا جس میں مجھے شرف باریابی حاصل ہوا اس مجلس میں فقط دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز تھی۔ ایک پر اعلیحضرت جلوہ فرما تھے۔ اور دوسرے پر مجھے بیٹھنے کا حکم نہایت شفقت و محبت سے دیا۔ سردار نائب السلطنت نے میرا عریضہ اعلیحضرت کے حضور میں پیش کیا۔ آدھ گھنٹے تک اعلیحضرت اسے غور سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ آخر میں دعائیہ فقرات سے بہت متاثر ہوئے۔ اور مختصر الفاظ میں پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کام کرنے کے لئے زبانی ایک حکم ارشاد فرمایا جس کی تعمیل میں اپنے امکان بھر آخر تک کرتا رہا۔ مجھے یہاں صرف صراحت اعتراف کی ضرورت ہے۔ کہ اگر شیخ مغفور کا صحیح مشورہ مجھے نہ ملتا۔ تو میری بات اس قدر مؤثر نہ ہوتی۔ اور میں اپنے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

آپ کو بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے دربار میں پیش نہ کرتا۔ بلکہ ایک مسلم کی صورت میں متعارف ہوتا۔ اور چند دنوں بعد مجھے مسلکِ ہندوستانیت بنانے کی یقیناً ضرورت پیش آتی۔ اور میں اپنے درجہ کے بہت کچھ چھوٹا سمجھا جاتا اعلیحضرت نے میری عزت افزائی سے یقیناً ہندوؤں پر احسان فرمایا لیکن نہ اس لئے کہ میں نے اپنے آپ کو ہندوستان کا فرضی نمائندہ بنالیا تھا۔ بلکہ اس میں قابلِ عزت یہ بات سمجھی گئی۔ کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا اس میں مبالغہ سے قطعی پرہیز کیا گیا۔ اعلیحضرت کو جس قدر بذات خود واقفیت تھی۔ ہمارا بیان اس کے قریب قریب رہا۔ ایک محکوم ملت میں ایک متوسط طبقہ کا آدمی اور پھر وہ بھی مذہبی عالموں میں صحیح معلومات کا مالک ہے۔ اور ایسے نازک موقع پر صداقت کا خیال رکھتا ہے۔ اعلیحضرت کے لئے اور اس کے سردار نائب السلطنت کے لئے واقعی ایک نادر اور مؤثر مثال تھی۔ میں اسے اللہ تعالےٰ عزّ وجل کی ایک خاص رحمت سمجھتا ہوں جس میں حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہٗ کی دعا اور ان کی تعمیلِ حکم کی برکت کا بہت کچھ دخل ہے۔

ہندوستانی مشن سے ملاقات

حربِ عمری کے شروع ہونے پر جس قدر ہندوستانی آزادی سوز یورپ میں موجود تھے۔ وہ سب برلن میں جمع ہوگئے تھے۔ اور انہوں نے جرمن محکمۂ خارجہ کے ماتحت

لہ ڈائری کے اصل مسودہ میں یہاں تسلسل قائم نہیں رہتا۔ اور بعد مسلسل باب شروع ہوتا ہے تسلسل کمیشن کی رپورٹ کی بنیاد پر بحالیوں باقی رکھا جاسکتا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ایک انڈین نیشنل پارٹی قائم کی تھی۔ ہردیال اور مولوی برکت اللہ صاحب وغیرہ اس میں شامل تھے۔

اس انڈین نیشنل پارٹی کے زیر اہتمام راجہ مہندر پرتاپ اور اس کے رفقاء کو جن میں مولوی برکت اللہ صاحب بھی شامل تھے۔ جلد ترکی اور جرمنی افسروں کے ساتھ ایک خاص مشن پر کابل بھیجا گیا۔ مشن ہم سے ایک ہفتہ پہلے کابل پہنچ چکا تھا۔ اور ان کی مفصل ملاقاتیں ختم ہو چکی تھیں۔ جب ہم اعلیحضرت کے حضور میں پیش ہوئے۔ اس کے بعد ہم کو مشن کے ہندوستانی ممبروں سے ملنے کی اجازت ہو گئی۔ اور ہم ان سے اچھی طرح مل سکے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ ہندوستانی معاملات میں ہمارے اور ان کے نقطۂ نظر میں کسی قدر فرق ہے۔ اس طرح مشن کے جرمن ممبروں سے ہماری ملاقاتیں ہوئیں۔ اور اپنے نقطۂ نظر کے منوانے کے لئے ہم ایک طویل زمانہ تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ اس زمانے میں ہمارا ترجمان ہندوستانی نوجوانانِ مہاجرین میں سے ایک نوجوان تھا۔ جسے ان لوگوں نے اپنا پریذیڈنٹ منتخب کر دیا تھا۔ اس کا نام عبدالباری تھا۔ وہ لاہور گورنمنٹ کالج سے ایم۔اے پڑھتا ہوا چلا آیا تھا۔ شیخ محمد ابراہیم چونکہ حبیبیہ سکول میں ملازم تھے۔ اس لئے ان کو سیاسی مجالس میں عام طور پر شامل ہونے کے مواقع بہت کم ملتے تھے۔ ہماری ملاقات سے پہلے مشن کے ہندوستانی اور جرمنی ممبروں میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ ہمارے ہندوستانی دوستوں کے نظریات یورپین

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سائیکالوجی کے لئے نہایت دلفریب تھے۔ ترک اور جرمن جب تک برلن اور استنبول میں رہے اپنے ان نظریات کی بہت قدر کرتے رہے لیکن کابل میں تو عملی کارروائی کے لئے آئے تھے۔ اس میں مشن کے پریذیڈنٹ یا مولانا برکت اللہ کوئی زیادہ رہنمائی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کو عمر بھر افغانستان، صوبہ سرحد پنجاب، سندھ، بلوچستان کا نقشہ دیکھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔ مشن کے ممبر شروع میں ہم سے اخلاص سے نہیں ملے۔ مگر بتدریج اُن کا خیال ہمارے متعلق اچھا ہوتا گیا۔ ہماری ساری عمر شمال مغربی ہند میں گذری۔ اور اسی ادھیڑبن میں ہر کہ او سہ سے ملتے رہے۔ ہمارے پاس بعض ایسی معلومات بھی تھیں۔ جو کابل میں فوجی نقطۂ نظر سے بہت قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ اس طرح ہماری رائے غالب ہونے لگی۔ اس اختلافِ خیالات سے قطع نظر ہم نے ہندوستانی ممبروں کے احترام و اعزاز میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ اس لئے روز بروز ایک دوسرے سے قریب ہوتے گئے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باب دوم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس ضروری مسئلہ کے محرکات

تمہیدی مقدمات کی تکمیل

ہندو مسلم اتحاد

ہندوؤں کی ایک غلط فہمی

کانگرس کے ایک لیڈر کی رائے

راجہ مہندر پرتاپ

راجہ صاحب کا حملہ

لالہ لاجپت رائے کی ملاقات
استنبول میں

جرمن ممبروں کی شکایت

ہندوستانی مشن کا مقصد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

راجہ صاحب سے تبادلۂ خیالات کرنے پر ہمیں ایک ناگوار حقیقت کا علم ہوا۔ ہم ہندوستان میں بھی اس سے کسی قدر واقف ہو چکے تھے مگر اس کی اہمیت کا صحیح احساس نہیں ہوا تھا۔ اب ہمیں اس کے اثر اور وسعت کا حقیقی علم حاصل ہوا۔ اس مسئلہ میں ہمارے تبادلات سمجھنے میں ناظرین کی آسانی کے لئے ہم کسی قدر گذشتہ واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ میری طالب علمی کا پہلا زمانہ تو ایسا ہے۔ کہ اس وقت میں سوائے اسلام اور مسلمانوں کے، اور کسی چیز کی ہستی نہیں مانتا تھا لیکن جب مطالعہ پختہ ہوا تو مجھے ہندوستانیت اور ہندو مسلم اتحاد کا خیال اور اس کی ضرورت زور سے محسوس ہونے لگی۔ ہاں عملی حصہ لینے کے لئے مجھے اس زمانہ میں کوئی موقعہ نہیں ملا۔ اس کے بعد جب مسلمانوں کی مرکزی جماعتوں سے میرا تعارف ہوا تو میں نے مناسب طور پر اپنے بزرگوں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور دوستوں کو اس طرف توجہ دلانی شروع کی۔ اور میری مسرت کی انتہا نہ رہی جب مجھے امید سے زیادہ کامیابی نظر آئی۔

اس ضروری مسئلہ کے محرکات

میں جس وقت ناظم جمعیت الانصار تھا میرے ایک سندھی دوست پروفیسر جیوت رام کرپلانی دیوبند تشریف لائے۔ وہ دارالعلوم دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک ہفتہ تک میرے مہمان رہے۔ انہیں پوری آزادی سے دارالعلوم کی سیر کرائی۔ آخر میں وہ دارالعلوم کی بہت تعریف کرتے تھے کہ ہند کے مستقبل میں جو چیزیں کارآمد ہو سکتی ہیں۔ وہ اسی قسم کے کام ہیں۔ اور دارالعلوم کی خدمات قابلِ تعریف اہمیت رکھتی ہیں۔ اس پر میں نے سوال کیا کہیئے پروفیسر صاحب ہماری ضرورت ہے یا نہیں۔ ان کا جواب تھا بالکل نہیں۔ آپ اگر ضرورت سمجھیں تو ہمارے ساتھ ہو جائیں ورنہ ہند ہمارا ہے۔ اور ہم اپنا کام خود کر لینگے اس جواب کا اثر مجھ پر ظاہر ہے۔ کہ اچھا نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے مجھے بے قرار کر دیا چند روز بعد ہمارے مؤتمر الانصار کا اجلاس مراد آباد میں قرار پایا۔ بحیثیت ناظم مؤتمر الانصار مجھے شرفا مراد آباد سے ملاقات کے مواقع ملے بفضلہ تعالیٰ ہمارا جلسہ کامیاب رہا۔ علی گڑھ کے پروفیسر جلال الدین صاحب (جو ہمارے کاموں کو ابتدا سے اچھی طرح دیکھ رہے تھے) سے میں نے مؤتمر کی نسبت سوال کیا۔ انہوں نے بہت تعریف کی۔ اس پر میں نے ان سے وہی سوال دہرایا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کیوں ہماری ضرورت ہے یا نہیں ؟ پروفیسر نے نہایت محبت آمیز متانت سے جواب دیا۔ آپ کے سوا تنہا ہم کچھ نہیں ہیں۔ اس جواب کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ اور میں نے دل میں اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ اپنے دوستوں کو سخت ملامت کی کہ تعلیم یافتہ جماعت سے ہم کیوں کھچ رہے ہیں۔ ساتھ ہی ہندو مسلم اتحاد کا پروگرام میرے سامنے آگیا۔ اس کی پہلی کڑی قدیم وجدید نوجوانوں کا سمجھوتہ ہونا چاہیے پھر دوسرا قدم اٹھانا اس قدر مشکل نہیں رہے گا۔

تمہیدی مقدمات کی اپیل

پرانے اور نئے خیال کے مسلمانوں میں محلِ نزاع کیا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ علماء برداشت نہیں کر سکتے کہ عام مسلمانوں کی راہنمائی کا منصب ان کے ہاتھ سے نکلے اور تعلیم یافتہ طبقہ لیڈرشپ کا مدعی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ علماء کی امامت میں ہم کوئی کام نہیں کر سکیں گے۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ اہلِ علم لیڈرشپ کے ادعا سے دست بردار ہو جائیں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں عام طور پر احساس پیدا کر دیا جائے کہ وہ اہلِ علم کی شمولیت کی صحیح قیمت کو نہ بھولیں۔ میرے اُستاد حضرت مولانا شیخ الہند تغمدہ اللہ بغفرانہ نے میرے خیال کی اس طرح داد دی تھی۔ کہ وہ پہلے سے اس کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب مولانا محمد علی مرحوم گورنر یوپی کی آمد پر دیوبند تشریف لائے۔ تو حضرت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مولانا خود[1] اُن سے ملنے کے لئے اُن کے قیام گاہ پر گئے۔ اُسی وقت سے ہمارے امام نے مولانا محمد علی مرحوم کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا۔ میں اُس وقت دیوبند میں نہ تھا۔ اور نادان لوگوں نے حضرت کے اِس تقدم پر نکتہ چینی بھی کی تھی ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا خدا بھلا کرے۔ جو علماء دیوبند اور تعلیم یافتگان علیگڑھ کے ملانے میں ایک مضبوط کڑی ثابت ہوئے۔ وہ جب ہلال احمر کا وفد لے کر گئے۔ تو اُس میں علمائے دیوبند بھی شریک ہوئے۔ اور اسی کام کو مکمل کرنے والے ہمارے مسیح الملک (حکیم اجمل خاں) مغفور تھے۔ میں جب دہلی آیا۔ اور مسیح الملک کی سرپرستی میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ تو اُس میں نواب وقار اور حضرت شیخ الہندؒ دونوں ایک درجہ پر شریک ہوئے۔

ہندو مسلم اتحاد اِس مرحلہ کے طے ہونے پر مسیح الملک اور ڈاکٹر انصاری نے دہلی میں اس کام کو عملاً شروع کر دیا۔ اور اس میں اعلےٰ درجہ کی کامیابی ہوئی۔ اور مولانا محمد علی قومی لیڈر بن گئے۔ میں ہندو دوستوں کے خیالات جانچتا رہا۔ ان میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہو گیا۔ پروفیسر کرپلانی جب دوسری مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ تو ان کی ذہنیت اور تھی۔ انہوں نے مجھے دعوت دی۔ کہ اگر میں چاہوں تو تمام ہندوستان کا مطالعہ کر سکتا ہوں۔

[1] گورنر یوپی کے آمدہ وقت مولانا شیخ الہندؒ دیوبند سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ مولانا محمد علی مرحوم سے ملاقات غالباً گورنر قیام دیوبند سے کچھ پہلے یا بعد میں ہوئی ہوگی۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور وہ میرے لئے انتظام کر دیں گے۔ اِن واقعات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا۔ کہ اِس قسم کی غلط فہمی ہندوؤں میں کافی طرح موجود ہے لیکن وہ ناقابل علاج نہیں۔ تھوڑی توجہ سے دور ہو سکتی ہے۔ میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ تمام یورپ اور امریکہ میں یہ پروپیگنڈا پھیل چکا ہے۔ اور ہمارے ہندو بھائی جب ہندوستان کا تعارف کراتے ہیں تو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہندوستانی ملاقات کے وقت رام رام کیا کرتے ہیں۔

ہندوؤں کی ایک غلط فہمی

تاریخ پڑھکر ہندو نوجوان یہ نظریہ قائم کر لیتے ہیں۔ کہ ہندو اصلی ہندوستانی ہے اور مسلمان انگریزوں کی طرح ایک بیرونی فاتح ہے۔ اِس لئے جب وہ ہند کو بیرونی لوگوں سے متعارف کرنے کا خیال کرتے ہیں۔ تو اِس میں مسلمانوں کو بیرونی فرض کر لیتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مسلمان شرفا کی ایک بڑی جماعت عرب و عجم کے بزرگوں کی اولاد ہے۔ اور اُن کی زبان سے بھی بعض اوقات ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔ جس سے ہندو نوجوان کو اپنے تخیل کی سند مل جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ناظرین میری شخصیت کے متعلق ناواقف نہ ہوں گے۔ کہ میں ایک ہندو گھر میں پیدا ہوا۔ اور ہندو نو مسلم کی کتاب تحفۃ الہند میں نے دیکھی جو ایک برہمن کے واسطے سے مجھے ملی تھی۔ اس کے مطالعہ کے بعد اسلام کی حقانیت میں یقین کر کے سولہ برس کی عمر میں[1]

[1] بریکٹوں کے اندر کا اضافہ دوسرے سوانح نگاروں کی رُو سے کیا جاتا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(مسلمان ہوا۔ اور تیس سال کی عمر میں) علوم دینیہ میں تکمیل کر کے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی میں علمی تحقیقات سے اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی عام آبادی خصوصاً طبقۂ سافلہ، کاشتکار، مزدور ہندو بزرگوں کی اولاد ہے۔ جو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اور جو بزرگ فاتحانہ ہند میں داخل ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اور جو خاندان اِس نئے مذہب اور تمدن کو ہند میں قائم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اُن کی اولاد اوّل درجہ کی ہندوستانی ہے۔ ہندو قوموں کا نو مسلم اور اسلامی فاتحین کی اولاد میں فرق کرنا ایک نہایت حماقت آمیز جہالت ہے۔ ہمارے بھائیوں کو بہت جلد اِس غلط فہمی سے پاک ہو جانا چاہیئے۔ میرا یقین ہے۔ کہ اسلام سے بہتر انسانیت کے لئے کوئی مذہب، کوئی فلسفہ، کوئی تمدن، کوئی قانون میسّر نہیں آسکتا۔ اس لئے ہندوستانیوں کو اسے عزت سے مان لینا چاہیئے لیکن اگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم نو مسلم کیا ایسے بھی گئے گزرے ہو گئے اور اپنی آبادی کے تناسب اپنے مذہب کی عزت تمام بھائیوں سے نہ منوالیں ایک ہندوستانی اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو زیادہ بہادر زیادہ شریف تصوّر کرتا ہے۔

کانگریس کے ایک لیڈر کی رائے

مسلم لیگ کا ڈیپوٹیشن جب شملہ گیا۔ تو مسٹر گوکھلے نے مسلمانوں کو اپنی تعداد سے زیادہ نمائندگی مانگنے پر ایک آرٹیکل لکھا تھا میں نے اس کا ترجمہ پڑھا ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس سے میرے دل میں یہ بات ٹھیک طور پر بیٹھ گئی کہ واقعی انصاف کے رو سے ہمیں اس قدر نمائندگی پر راضی ہونا چاہیئے جس قدر شری یت کرشن گوپال گوکھلے ہمارے لئے مانتے ہیں میں نے راجہ صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ کہ جن صوبوں میں مسلم آبادی زیادہ ہے وہاں کوئی کارروائی مسلمانوں کے فیصلہ کے بغیر نہ ہونا چاہیئے اس طرح یہ مسئلہ بیرونی لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ سارے برّاعظم کو اکائی مان کر میجارٹی کے فیصلہ کردہ لوگ ہندوستان جانتے ہیں۔ انہوں نے ہماری کل بات سنی۔ اور اعداد و شمار میں غور کیا تو اُن کی رائے ہمارے موافق ہوگئی۔ جرمن کیپٹن نے کہا۔ کہ ہماری گورنمنٹ نے ایک دفعہ غلطی کی ہے۔ دوسری دفعہ نہیں کرے گی۔

راجہ مہندر پرتاپ

ہمارے راجہ صاحب ہیومینٹیرین (HUMANI-TARIAN) ہیں اور اسی کا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ لیکن اعلےٰ انسانیت کا معیار انکے ذہن میں ایک کٹر سیاسی سے اونچا نہیں ہے اُنکے نزدیک ہندوستان میں (میرے ابتدائی مطالعہ کے مقابل) مسلمانوں کی کوئی ہستی نہیں تھی۔ کابل میں مہمانوں کی رواداری ایک مرض کے درجہ تک ترقی کر چکی تھی۔ وہ مہمان کی بات پر بجا غلط سمجھ رہے ہیں مگر اپنے آپ کو جاہل سمجھ کر مہمانوں کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری جانتے ہیں۔ عام مجلسوں میں اُن کی غلط باتوں کیلئے شاعروں کے مقولے پیش کردیں گے۔ اس سے مہمان سمجھ رہا ہے کہ میرے پروپیگنڈے کا خوب اثر ہو رہا ہے۔ ہمارے راجہ صاحب بھی اس غلط فہمی میں کافی زمانہ تک مبتلا رہے

لہ بین القوسین (الفاظ سمجھ میں نہیں آئے)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ میرے تبادلہ خیالات نے راجہ صاحب کو مجبور کیا۔ کہ ہندوستانی معاملات میں وہ صحیح طور پر مسلمانوں کو شریک کرے۔ اور میں اُن کے لئے ایسا نرم اور میٹھا ثابت نہیں ہوا جیسے مولوی برکت اللہ مرحوم۔ اس کے بعد ہمارے اور راجہ صاحب کے اکثر معاملات محبت سے طے ہوتے رہے اور میں نے اُن کے معاملہ کو پروفیسر کرپلانی کی طرح معمولی تصور کیا۔ (یعنی ایک غلط فہمی) اور ادلہ کی روشنی میں اس کی درستی کر دی گئی

راجہ صاحب کا حملہ[1] مگر واقعہ ایسا نہیں تھا۔ انہوں نے ہندو مہاسبھا کا نظریہ اس وقت سے قبول کر لیا۔ یا صحیح طور پر کہا جائے تو انہوں نے اپنے قلبی فیصلہ کو عملی صورت دینا شروع کی یعنی آریہ سماج کو ہراول بنا کر لالہ ہردیال کے نام سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے کافی محنت کے بعد اپنے بھائی سے سوئیٹزرلینڈ میں ملاقات کی صورت نکالی۔ اور انہیں نقیب فراز سمجھا کر واپس کر دیا۔ راجکمار شاردھا کالج لاہور میں جلوس اور پنڈت مالوی جی کا لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند سے جیل میں مل کر اُنہیں معافی کے لئے تیار کرنا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس میں راجہ صاحب کا ہاتھ کام کر رہا ہے

لالہ لاجپت رائے کی ملاقات استنبول میں راجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حکومت مؤقتہ ہند کی کتاب سوئیٹزرلینڈ

[1] یہ اور اسکے بعد کا عنوان مؤلف واقعات کی طرف کچھ اجمالی اشارے ہیں جو کابل کے سفر سے متعلق نہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے سفر میں چرائی گئی ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ وہ بھی پنڈت جی تک پہنچ گئی ہے۔ یا پہنچا دی گئی ہے۔ اس سے جس قدر معلومات حاصل ہوئیں اُن کا عام پروپیگنڈا آسان نہیں فوراً سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے گہرے واقعات کیسے معلوم ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ راجہ صاحب کی عزت محفوظ کرنے کے لئے لالہ لاجپت رائے ہم سے ملے۔ اس کے بعد ہر ایک بات ہمارے نام سے کہی جا سکتی ہے۔ ہماری ملاقات سے لالہ جی نے اور بھی فائدہ حاصل کرنا چاہا جس میں افسوس کہ انہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں پر یہ ایک جملہ معترضہ ہے۔

جرمن ممبروں کی شکایت مفصل ملاقاتوں سے ہمیں معلوم ہوا کہ مشن کے ہندوستانی ممبر اور جرمنی ممبر یک جہتی قائم نہ رکھ سکے۔ جو ایسی سیاسی مہمات کے لئے ضروری ہے۔ ہندوستانی ممبر سارا الزام جرمن ممبروں پر تھوپتے تھے۔ لیکن جرمن ممبر شکایت کرتے تھے کہ برلن اور استنبول میں جو سبز باغ دکھائے گئے۔ اُن کا عشر عشیر بھی یہاں نظر نہیں آتا۔ اس مشن کا جو مقصد بیان کیا جاتا ہے۔ انصاف یہ ہے۔ کہ مشن نے اس کے موافق کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ راجہ صاحب کو جب میں نے بعض کوتاہیوں سے متنبہ کیا۔ تو فرمایا کہ جرمن چانسلر نے بھی مجھے اس طرف توجہ دلائی تھی۔ اور میرے لئے آسانی پیدا کرنی چاہی تھی۔ مگر میں نے خلاف شان سمجھ کر انکار کر دیا۔

ہندوستانی مشن کا مقصد۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں فقط اس قدر تھا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ جرمنی اتر کی اتحاد میں اگر افغانستان شمولیت کا قصد کرے تو مالوی جی کا ایک نمائندہ اس سے واقف ہوتا رہے اور جہانتک ممکن ہو ہندوستان کی سرحد سے اس مصیبت کو ٹالتا رہے۔ معاملات میں جو پوزیشن شاہ افغانستان کو حاصل ہو۔ اس میں مہاراجہ نیپال کو شریک کرنے کی کوشش کرے۔ انڈین سوسائٹی برلن نے پوری دانشمندی سے اس ہندو تحریک کو ہندوستان کا رنگ دینے کے لئے مولانا برکت اللہ صاحب کو بھی برائے نام اس میں شریک کیا۔

مولانا برکت اللہ صاحب مرحوم کی شمولیت کو جس قدر اہم بیمعنی دکھلایا ہے ہیں۔ اسکا مولانا کی شخصیت سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ مسلمانوں کی اس غفلت کی سزا ہے۔ جو اپنے آپ کو اقلیت میں فرض کرکے اکثریت کے رحم پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ جب ایک شخص کے ذہن میں یہ ٹھونس دیا جائے کہ تم اس بتکدہ کی اجازت نہ ہونے کی صورت میں کوئی کام نہیں کرسکتے۔ تو اس شخص کے بیکار ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ اپنا مطلب واضح کرنے کیلئے ایک دشمالیں لکھتا ہوں مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام جب اپنا اختیار مہاتما گاندھی کے سپرد کرتے ہیں۔ تو کیا وہ اپنی قربانیوں سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ یا ڈاکٹر انصاری اگر سوامی شردھانند کے ساتھ وابستہ کردیا جائے تو اس کی محنت کوئی نتیجہ دے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر مولانا برکت اللہ مرحوم راجہ صاحب سے اختلاف کرکے اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتے۔ تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باب سوم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جنود اللہ کا قیام

حکومت مؤقتہ ہند

روسی ہندوستانی مشن

روسی ہندوستانی مشن کا مسلمان ممبر

مرزا محمد علی کے لئے سفر خرچ

حکومت مؤقتہ ہند میں ہماری شمولیت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جنود اللہ کا قیام

جب ہم سردار نائب السلطنت سے مل چکے تھے۔ تو وہ ہندوستانی تعلیم یافتہ نوجوان جو لاہور سے یاغستان ہو کر کابل اس ارادے سے پہنچے تھے۔ کہ ترکی جا کر وہ جنگ میں شریک ہوں گے لیکن کابل میں روک دیئے گئے تھے۔ انہیں پولیس کی حراست سے آزاد کر دیا گیا۔ اور ان کے رہنے کے لئے وہی گھر تجویز ہوا جس میں ہم رہتے تھے۔ ہماری خواہش تھی کہ وہ ترکی جانے کا خیال چھوڑ دیں۔ اور کابل میں ہمارے ساتھ رہ کر حکومت کی مصلحت جس قدر اجازت دیتی ہو۔ اسی قدر کام میں مصروف رہیں۔ وہ جب لاہور سے نکلے تھے تو منظم شکل میں سفر کر رہے تھے۔ مگر کابل میں لاہوری نوجوانوں کے ساتھ چند نوجوان پشاوری بھی شامل ہو گئے۔ اور ان میں اختلاف شروع ہو گیا۔ بیکاری میں آہستہ آہستہ لاہوری جماعت کے افراد بھی کسی قدر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مختلف ہو رہے تھے ہمیں جب یہ حقیقت معلوم ہوئی۔ تو میں نے پہلے اُن کے پرانے نظام کو تازہ کرنے کی کوشش شروع کی۔ اور ایک نوجوان عبدالباری ایم اے جماعت کا صدر منتخب ہوا۔ ہمارا تعلق اس جماعت سے اس رئیس کے توسط سے تھا۔ چونکہ ہندوستانیوں کی ایک جماعت سیاسی سازش کے الزام میں محبوس تھی اور وہ لوگ افغانستان کے محکمۂ تعلیمات سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ہم افغانستان میں کچھ کام بھی جاری نہیں کر سکتے تھے لیکن جب یہ نوجوان ہمارے ساتھ رہنے لگے۔ تو ہمیں دہلی کے نظارۃ المعارف کا سا لطف آنے لگا۔ اُن کے متعلق ہمیں کسی احتیاط کی ضرورت نہیں تھی۔ اس جماعت میں کم از کم دس آدمی ایسے تھے جو تین سال سے زیادہ کالج میں پڑھ چکے تھے۔ انہیں ہم نے علیحدہ کر لیا۔ اور کسی قدر مذہبی اور سیاسی عام اصول پر اُن سے مذاکرات ہونے لگے۔ اس میں شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی قصوری بھی شریک تھے۔ اس عرصہ میں ہمارے بعض دوست دیوبند سے بھی پہنچ گئے جن میں سے مولانا منصور انصاری جمعیۃ الانصار میں ہم دونوں کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ اور مولانا سیف الرحمان دہلی سے افغانستان ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ مولانا سیف الرحمن اصل میں قندھاری افغان ہیں۔ اُن کے آباؤ اجداد پشاور کے پاس رہنے لگے۔ اُنہوں نے مولانا رشید احمد صاحب (گنگوہی) سے حدیث پڑھی اور زیادہ عرصہ تک ٹونک میں پڑھاتے رہے۔ اخیر میں دہلی کے مدرسہ فتحپوری کے مدرس اوّل تھے۔ جب حضرت مولانا شیخ الہند

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قدس سرہٗ کے مشورے سے انہوں نے یاغستان کی طرف ہجرت کی۔ اور حاجی ترنگ زئی کی معیت میں کچھ عرصہ جہاد میں شریک رہے۔ اور پھر کابل تشریف لائے (سرحد میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ حضرت سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ کابل میں سفارت کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی کے ماتحت ہند میں داعی بنا کر بھیجے گئے۔ حیدر آباد۔ بنگال میں کام کرتے رہے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد ۱۲۴۸ھ میں انہوں نے اپنی مستقل جماعت قائم کر لی ۱۲۷۰ھ میں حجاز۔ یمن۔ نجد کا سفر کیا۔ ۱۲۶۲ھ میں مشرقی افغانستان میں تشریف لائے مولانا ولایت علی مرحوم سید صاحب کی شہادت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اُن کے انتظار میں بیٹھنے والی ایک خاص جماعت قائم کر لی۔ اُن کے بھائی مولوی عنایت علی اس خیال کے مخالف تھے۔ اس لئے جماعت میں منتظرین اور مجاہدین دونوں فریق ملتے تھے۔ ان مجاہدین کی امامت مولانا ولایت علی کے خاندان میں منحصر ہو گئی) اُن کے وکیل مولانا محمد بشیر جو لاہور کے اہلِ حدیث جماعت کے معزز کارکن تھے اور ہجرت کر کے جماعت مجاہدین میں رہتے تھے۔ نوجوانوں کی ہجرت میں اِس کا خاص کام تھا۔ وہ بھی اپنی جماعت کے فرائض انجام دینے کے لئے کابل پہنچے ان لوگوں کے مشورے سے ہم نے کام کرنے والوں کی ایک جماعت بنائی۔ جسے جنود اللہ کہا جاتا ہے۔ اس میں اگر عسکریت تھی تو اسی قدر جتنی سالویشن آرمی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں موجود ہے۔ اس نظام سے ہم نوجوانوں کی باہمی رقابتوں کو دور کر سکے۔ اور انہیں مغرور طالب علموں کے مکروہ نام سے نجات دلانے میں کامیاب ہوئے۔ سرحد میں حاجی ترنگ زئی کے آنے پر افغانی مجاہدین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ حاجی ترنگ زئی چونکہ حضرت شیخ الہند رح کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ اُن کے ساتھیوں میں سے بہت سے لوگ دیوبند کے پڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے جب اُن کے وکلاء کابل آئے تو وہ بھی جنود اللہ میں شامل ہو گئے۔

حکومتِ مؤقتہ ہند ہندوستانی مشن کو اپنے مطلب میں کامیابی نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت اپنے ملک کو جنگ میں دھکیلنا نہیں چاہتے تھے۔ اور انگریزوں سے انہیں بہت کچھ مراعات کی توقع تھی۔ اس کے مقابل فریق ثانی کوئی تسلی بخش پروگرام نہ بنا سکا۔ اور ممبروں کا اختلاف سونے پر سہاگے کا کام دے گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ مستقبل ہند کے متعلق ہمارے نظریات چونکہ مشن کے ممبروں سے پورے نہ ملتے تھے۔ اس لئے بھی ہمیں دربار میں جلدی بڑھنے کا موقع مل گیا۔ حکومت نے مشن کے ممبروں کو آخری جواب دینے سے پہلے ہمیں ان سے ملنے کے سامان بہم پہنچا دیئے جس سے اُن کے جواب کو مختلف تعبیرات سے پریشان کرنے کی کوشش کی گئی۔ مشن کی جو گفتگو اعلیحضرت سے ہوئی وہ حرف بحرف برٹش قونصل کے ذریعہ السرائے کو بھیج دی جاتی۔ اس کے معاوضہ میں کافی روپیہ انگریزوں نے اعلیحضرت کیلئے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بھیجا۔ اور اُن کے سالانہ گرانٹ میں مستقل اضافہ ہو گیا۔ البتہ سردار نائب السلطنت کی صدارت میں جو باتیں ہوئیں وہ محفوظ رہیں۔ اور اُن سے افغانستان گورنمنٹ اپنی ترقی کے لئے راستے سوچتی۔ اس قسم کے کاموں میں سے ایک کام حکومت موقتہ ہند کا قیام تھا۔

روسی ہندوستانی مشن راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا برکت اللہ نے مل کر حکومت موقتہ ہند کی بنیاد ڈالی جس میں بعض جرمن اور ترک بھی شامل ہوئے۔ اس حکومت نے ایک وفد روسی گورنمنٹ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ سردار نائب السلطنت نے اسے منظور کر لیا۔ اس پروگرام پر کام کرنے کے لئے اُن کے پاس کوئی ہندوستانی نہیں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ نوجوان اُن کے ساتھ کام کریں۔ مگر یہ لوگ ہماری تنظیم میں جکڑے ہوئے تھے اس لئے ہم سے براہِ راست باتیں شروع ہوئیں۔ ہماری ابتدائی گفتگو میں ایک افغان افسر بھی موجود رہتا تھا۔ اور ہمارے تباولہ خیالات سے وہ بہت سی ایسی باتوں کو سمجھنے لگا۔ جو پہلے سے اس کی توجہ جذب نہیں کر سکتی تھی۔ ہمارے ساتھ ان نوجوانوں کے علاوہ دو سکھ بھی تھے جو غدر پارٹی کے ممبر تھے۔ اور ہندوستان سے بھاگ کر بلا پاسپورٹ افغانستان میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ بھی پہلے پولیس کی حفاظت میں تھے۔ پھر آزاد ہو کر ہمارے پاس رہنے لگے تھے۔ راجہ صاحب کی تجویز یہ تھی کہ ان میں سے ڈاکٹر متھرا سنگھ کو اس روسی مشن میں بھیجا جائے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مولانا برکت اللہ مرحوم کی تائید کے بعد دوسرے ممبر اس داخلی مسئلہ سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے وہ موافق ہو گئے۔ اب ہمارے سامنے یہ مسئلہ ایک فیصلہ شدہ صورت میں ظاہر کیا گیا لیکن ہم ڈاکٹر متھر اسنگھ کی عام سیاسی واقفیت سے آشنا ہو چکے تھے۔ اس میں ترمیم پیش کر دی۔ کہ اس مشن میں ڈاکٹر متھر اسنگھ کے ساتھ ایک نوجوان مسلمان بھی ہونا چاہیئے۔ راجہ صاحب نے پسند نہیں کیا۔ اور اس پر مباحثہ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ مسلمانوں کے اشتراک کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کام سوچنے والی، جماعت میں ایک مغلوب حصہ مسلمانوں کا شامل رہے۔ اور کام کرنے والی طاقت خالص غیر مسلم رہے بلکہ عملی کاموں میں مسلمانوں کی شرکت ضروری ہے۔ اس مناظرہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ سرار اب السلطنت کے سامنے پیش ہوا۔ ترک۔ جرمن۔ افغان بھی اس میں شریک ہوئے۔ طرفین کی باتیں سن کر ہماری رائے کے موافق فیصلہ ہوا۔ ہماری اور راجہ صاحب کی تلخ گفتگو کا یہ آخری حصہ ہے۔ اس کے بعد پھر کبھی اس قسم کی ضرورت پیش نہ آئی۔

دوسری ہندوستانی مشن کا مسلمان ممبر

ہم نے نوجوانوں کے رئیس سے اس کام کے لئے ایک ممبر مانگا۔ اس نے اپنی جماعت کے پورے مشوروں کے بعد ڈاکٹر خوشی محمد کو منتخب کیا۔ یہ نوجوان جالندھر کا رہنے والا ہے۔ میڈیکل کالج لاہور میں دو سال سے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

زیادہ تعلیم حاصل کر چکا ہے۔ مذہبی جذبات جیسے نوجوان میں ہوتے ہیں۔ اس میں کسی سے کم نہیں۔ سمجھدار ہے ہنس مکھ ہے۔ نوجوانوں کی ہجرت کی تحریک کا لیڈر رہے۔ اس کا نام مرزا محمد علی تجویز کیا گیا۔ اور ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ دوسرا ممبر قرار پایا۔ شیخ محمد ابراہیم جب کابل چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تو اسی مرزا محمد علی کو میں نے اپنا رفیق بنایا۔ (قرار دیا) میری جس قدر کامیابی افغانستان اور اس کے بعد روس میں مانی جا سکتی ہے۔ اس میں مرزا محمد علی کی محنت و ہمت کا حصہ غالب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ نہ مل جاتا۔ تو شاید کوئی بڑا کام نہ کر سکتا۔ خدا نے صحیح اشتراک میں قوت رکھی ہے۔ اجزاء کے انفرادی قوت میں اضعافاً مضاعفہ قوت نازل ہوتی ہے دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ تو آپس میں کارکن شریک ہو جائیں عقلی اصول صحیحہ پر شرکت ہو۔ عمل اور تقسیم فوائد میں عدل ملحوظ رہے۔ فقط اتنی طاقت دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ ایک عالمگیر برادری جو قرآن پر ایمان کا دعوے رکھتی ہے۔ کیا ان میں سے ایک مختصر جماعت سمجھدار پیدا نہیں ہو سکتی۔ یقیناً ہو سکتی ہے۔ مگر ان کو قرآن پر غور کرنے کی فرصت کہاں۔ مخالفین کے پروپیگنڈے سے مرعوبیت نے انہیں کسی کام کا نہیں چھوڑا اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کابل سے سفر کرنے سے چند دن پہلے مرزا محمد علی روس کی انقلابی اشتراکی جماعت کا ممبر بن گیا۔ اس کے بعد ہمارا ان کا رسمی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اشتراک باقی نہیں رہا۔ فقط دوستی اور محبت ہے۔

مرزا محمد علی کیلئے سفر خرچ

راجہ صاحب نے ڈاکٹر متھرا سنگھ کا سفر خرچ دے دیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ راجہ صاحب پورے مشن کا خرچ دیں گے۔ یا شاید حکومتِ افغانیہ انتظام کر دے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ ہماری ساری زندگی اسی طرح گذری۔ کہ روپیہ پیسہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا۔ جب ضرورت پیش آئی کسی نہ کسی طرح روپیہ مل گیا اس طرح سے ہمارے دل میں اپنے پروردگار پر زیادہ اعتماد پیدا ہوتا۔ اور اسی کو اپنی زندگی کا روشن پہلو شمار کرتے رہے۔ کابل کا سفر بھی اسی قاعدہ پر تھا۔ جب ہم قندھار پہنچے تو ہمارے پاس فقط ایک پونڈ تھا۔ اور ہم چار آدمی تھے۔ نائب الحکومت نے ہمیں سفر خرچ دے دیا۔ مگر اسے معلوم نہ تھا کہ یہ خالی ہاتھ ہیں۔ جب ہم کابل پہنچے تو ایک مہینہ میں ہمارا خرچ ختم ہو گیا۔ اور ہم نے جس قدر کپڑے یا سامانِ راحت خریدا تھا۔ سب بیچ ڈالا۔ اس وقت ہندوستان سے ایک دوست نے کسی قدر روپے بھیجے اور لوگوں سے ملنے کے قابل ہم کپڑے بنا سکے۔ پھر سردار نائب السلطنت نے بطور مہمانی شاید پانچ سو روپے بھیجے تو ہمارے بعض ساتھی جو ہندوستان سے واپس ہوئے۔ ان کی ضروریات میں صرف ہو گیا۔ میں شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ کھانے میں شروع سے شریک ہو گیا تھا۔ مگر اور قسم کی اعانت ہم ان سے نہیں چاہتے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں ہند سے کام کے لئے بہت سا روپیہ لایا ہوں۔ اور میں اسے مایوس کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب مرزا محمد علی کا خرچ دینا ضروری تھا۔ میں نے شیخ محمد ابراہیم سے روپیہ مانگا۔ مگر اس مرحوم نے اس وقت انکار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں ان کا تمام روپیہ اور سب سامان اسی کام صرف ہوا۔ اپنے فیصلے سے انہوں نے یہ سب کام کیا۔ لیکن اسی خاص وقت پر ان سے غلطی ہو گئی۔ ان کے دوسرے ساتھی مولوی محمد علی قصوری تھے۔ مولوی عبدالقادر[1] قصوری سے ہماری سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ مولوی محمد علی کا تعارف مولانا ابوالکلام نے کر دیا تھا۔ مگر وہ شیخ محمد ابراہیم کی طرح ہمارے کام میں شریک نہیں تھے خاص مشوروں میں فقط شیخ محمد ابراہیم پر ہمارا اعتماد تھا۔ عام معاملات میں مولوی محمد علی بھی شریک ہوتے تھے۔ اپنی تکلیف کا ہلکے الفاظ میں ان سے ذکر کیا۔ وہ بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے جلد اپنی دو ماہ کی تنخواہ پیشگی وصول کر کے ہماری ضروریات پوری کر دیں۔ اللہ تعالےٰ کا خاص لطف دیکھا۔ اور مولوی محمد علی کے از حد ممنون ہوئے جیسے آخر میں شیخ محمد ابراہیم کا تمام اندوختہ ہمارے کام میں صرف ہوا۔ اسی طرح مولوی محمد علی نے جس قدر کابل میں کمایا تھا۔ وہ سب ہمارے ہندوستانی کاموں میں صرف ہوا۔ جزاھم اللہ خیرًا۔ سیاسی کام فقط نظریات یا عملی تجربات کے مالک ہونے سے نہیں چلتے۔ اس میں کامیابی کے لئے ایک مستعد جماعت

[1] والد مولوی محمد علی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور روپیہ کی بھی ویسے ہی ضرورت ہے جیسے علم و عمل کی۔ ہندوستان کے مسلمان جس قدر اللہ تعالےٰ کا شکر کریں۔ وہ تھوڑا سمجھا جائے گا۔ کہ اُن کے نام سے کابل میں بے سروسامانی سے کام شروع ہوتا ہے۔ تو اُن کے نوجوان بہترین کارکن ثابت ہوتے ہیں۔ اور روپیہ تو مولوی محمد علی اور شیخ محمد ابراہیم کا تھا۔ جو وقت پر کام آیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اُن لوگوں کا نام قوم کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ کے لئے ان کو دعا کرنی چاہیئے۔

حکومتِ مؤقتہ ہند میں ہماری شمولیت

اس مشن کے روانہ ہونے سے پہلے ہم نے جرمن ممبروں سے زیادہ ملنا شروع کر دیا۔ اس میں ہمارے دوست عبدالباری بی۔ اے کی رفاقت ہمارے کام آئی۔ راجہ صاحب نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے ہندوستانی سے ملیں۔ ہماری ملاقاتوں کا تسلسل دیکھ کر راجہ صاحب نے ہمیں حکومتِ مؤقتہ ہند میں شمولیت کی دعوت دی۔ انہیں خیال تھا کہ شاید اس میں شامل ہونا پسند نہ کریں۔ کیونکہ اس کا جس قدر نظام ان دونوں صاحبوں نے تجویز کیا تھا۔ اُس میں راجہ صاحب کے نام میں وفاداری کا حلف ضروری تھا۔ مگر میں نہایت مسرت سے اس میں شامل ہو گیا۔ البتہ حلف نامہ تبدیل کر دیا۔ جسے انہوں نے منظور کر دیا۔ اس کے بعد ہندوستانی معاملات میں ہماری گفتگو بیرونی مداخلت سے پاک ہو گئی۔ ابتداء میں حکومت مؤقتہ کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تین ممبر رہے۔ امیر امان اللہ خاں کے زمانے میں جنگ افغانستان کے خاتمہ پر اور ممبر بڑھائے گئے اس میں جماعت مجاہدین کے وکیل مولانا محمد بشیر صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ راجہ صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں۔ مگر اپنی شخصی ڈیکٹیٹرشپ کا خیال ان کے دماغ پر غالب تھا۔ یورپین لوگوں سے وہ ان کی زبان میں باتیں کر لیتے۔ اور ڈیموکریسی (DEMOCRACY) کے لیکچر دے ڈالتے لیکن ہندوستانی معاملات میں ان کی موروثی خصلت نمایاں رہتی ہم نے بڑے داؤ پیچ سے انہیں راضی کیا۔ کہ حکومتِ مؤقتہ اپنا چارج اس جماعت کو دے دے گی۔ جسے انڈین نیشنل کانگریس نے اس کام کے لئے معین کیا ہو۔ وہ اس کے سوا کوئی بات نہیں جانتے تھے کہ کام پریذیڈنٹ کے اختیار میں چھوڑ دینا چاہیئے اور وہ لائف پریذیڈنٹ اپنے ہی تجویز کردہ قانون سے مقرر ہو چکے تھے۔ جب پہلی بار راجہ صاحب نے کابل چھوڑا تو حکومتِ مؤقتہ کے لئے تین مرکز تجویز ہوئے۔ کابل، نیپال، جنگال شمال مشرقی۔ کابل کے مرکز میں کام ہمیں تفویض ہوا۔ اس کے بعد ہم نے جنود اللہ اور باقی تمام کارروائیوں کو حکومت موقتہ مرکزِ کابل سے متعلق کر دیا۔ امیر امان اللہ خاں صاحب جب برسرِ اقتدار ہوئے تو انہوں نے ہمیں حکومتِ مؤقتہ ہند کا نمائندہ مان کر سرکاری معاملات صلح و حرب میں شریک کر لیا جب جنگ کا فیصلہ ہونے لگا تو اس خاص مجلس میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مجھے بُلا کر سرفراز فرمایا۔ دورانِ جنگ میں بعض اہم اُمور میرے حوالے کئے گئے۔ جنگ ختم ہونے پر اچھی کامیابی حاصل کرنے میں ہماری خدمات خاص طور پر تسلیم کی گئیں۔ اس تمام زمانہ میں ہمارے نوجوان رفیقوں کے کارنامے سنہری حروفوں سے لکھے جائینگے۔ اگرچہ ایک زمانہ تک ان پر پردہ ڈالنا ضروری ہے۔ جب جنگ ختم ہونے پر راجہ صاحب دوبارہ کابل تشریف لائے۔ تو امیر امان اللہ خاں نے اُن کے اعزاز میں ایسے کام کئے جن کی راجہ صاحب کبھی توقع نہیں رکھتے تھے۔ اس میں امیر صاحب نے ہمارے مشورے حرفاً بہ حرفاً قبول فرمائے۔ آخری سال جب ہم کابل سے رخصت ہوئے۔ امیر صاحب نے ہمیں افغانستان میں رہ کر حکومتِ موقتہ کا کام کرنے سے روک دیا۔ انٹرنیشنل سیاسیات کی پابندی ضروری ہے۔ ہم نے ایک شرط پر اسے منظور کرلیا۔ جب وہ وعدہ کرنے میں تعلّل نظر آیا۔ تو ہم نے افغانستان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ میں بذاتِ خود تھوڑے سے تغیر کے بعد آرام و عزت سے کابل میں رہ سکتا تھا۔ مگر میرے نوجوان رفقاء (جنکی مشقتیں ہماری عزت افزائی کی سبب بنیں) کا مستقبل برباد ہوجاتا۔ اس لئے میں کابل سے نکلنا ضروری سمجھتا تھا۔ اب ہم اطمینان کے مجتمع نہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں نے اپنے فائدہ کے لئے دوسروں کا نقصان کردیا۔ اگر کبھی کوئی موقع میسّر آیا تو تمام دوست پھر یکجا ہوجائینگے۔ واللہ الموفق والمعین۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باب چہارم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہندوستانی حکومت کا
ایک اخلاقی حملہ
استنبول مشن اور جاپانی مشن
ممبروں کی گرفتاری
ہندوستانی مشن
ہماری نظر بندی اور قید
انور پاشا کا خط

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ڈاکٹر متھرا سنگھ اور مرزا محمد علی روسی مشن پر بھیج دیئے گئے۔ اور ممبروں کے ساتھ دو خادم بھی روانہ کئے گئے۔ محمد علی کا خادم افغان تھا۔ اور ڈاکٹر متھرا سنگھ کا خادم ایک کابلی سکھ مشن ترمذ سے تاشقند پہنچا۔ گورنر نے قرار کو مطلع کیا۔ وہ اس وقت۔ پریشان تھا۔ اس نے برطانیہ سے بہت سے مطالبات شروع کر دیئے۔ اور اس مشن کی کارروائی بہانا بنایا۔ برطانیہ مشن کو جعلی قرار دیتا ہے لیکن روس اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اور افغانی حملہ سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ برطانیہ ہندوستان سے ممبروں کی تشخیص کراتا ہے۔ مگر صحیح طور معین نہ ہو سکے۔ بالآخر زار نے ممبروں کے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر گورنر تاشقند کی مداخلت سے یہ لوگ قید سے بچ گئے۔ یہ مشن بیکار ثابت نہیں ہوا۔ روسی و انگریزی اتحاد میں کسی قدر مشکلات پیدا کر سکا جس کی تلافی کے لئے لارڈ کچنر کو خود سفر کرنا پڑا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

روسی[1] انقلابیوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس کا نام ہے۔ سونے کی پیڑی (جو سونے کی پیڑی پر کندہ کرایا گیا تھا) ایک خط گورنر تاشقند کے نام تھا۔ اس میں اس مشن کے متعلق خط و کتابت مذکور ہے۔ جب یہ مشن واپس آیا تو ڈاکٹر متھرا سنگھ سردار نائب السلطنت کے سامنے پیش ہوا۔ سردار کے تمام سوالوں کے جواب میں یہی کہتا رہا۔ کہ بخیر رفتیم و بخیر آمدیم۔ اس کے بعد سردار نائب السلطنت نے مرزا محمد علی کو بلایا۔ اور سفر کی کیفیت پوچھی۔ محمد علی نے تمام واقعات کی مختصر یادداشتیں لکھ رکھی تھیں۔ جیب سے اپنی کتاب نکالی اور مفصل حالات سے گفت و شنید کا خلاصہ سب ذکر کر دیا۔ اس کے بعد سردار نائب السلطنت ہماری بہت زیادہ قدر کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے خاص لوگوں سے کہا۔ کہ اگر ہم مولانا عبیداللہ کی بات نہ مانتے۔ تو راجہ صاحب کا فرستادہ ہمیں ایک حرف بھی نہ بتلاتا۔

ہندوستانی حکومت کا ایک اخلاقی حملہ

ہماری تربیت ہندوستانی تعلیمات میں علمائے دیوبند کے مسلک پر ہوئی ہے۔ دیوبند جماعت فقہ حنفیہ کی پابند ہے۔ لیکن بہت سے غلط رسوم کی تردید میں مولانا اسمٰعیل شہید کے طریقہ پر ہے۔ اس میں یہاں تک مبالغہ کیا جاتا ہے۔ کہ مولانا اسمٰعیل کے اصلی اتباع یہ لوگ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے۔ سندھ میں میں نے بیس سال زندگی بسر کی ہے۔ میرے بزرگ سب اہی دیوبندی

[1] دیکھو مقدمہ میں کمیشن کی رپورٹ کا اقتباس۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مسلک سے ملتے جلتے ہیں۔ اگرچہ علما دیوبند سے ان کے افادہ اور استفادہ کا کوئی رابطہ نہیں۔ ان کے مخالف سندھ میں پیروں اور مولویوں کی تعداد کافی ہے۔ ہندوستانی حکومت نے ان میں سے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جن کا قندھار کے پیروں سے بہت قوی تعلق تھا۔ ان کے قندھاری بزرگوں میں سے ایک پیر کابل تشریف لائے۔ اور سردار نائب السلطنت سے ملے اور انہیں یقین دلایا۔ کہ مولانا عبید اللہ حکومت ہند کا فرستادہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ افغانستان کے لوگوں کا مذہب خراب کرکے افغانستان حکومت کے اسرار سے انگریزوں کو مطلع کرے۔ سردار نائب السلطنت کے سکرٹری نے ہم سے ذکر کیا۔ ہم نے اس کو تھوڑا سا سمجھا دیا کہ ہمارے متعلق وہ افغان سی۔ آئی۔ ڈی کے افسروں کو مقرر کرکے حکومت کی رائے معلوم کریں۔ اس پر جس قدر سزا ہو اس سے دریغ نہ کریں اگر ذرا سا شبہ ثابت ہوا تو مجھے توپ سے اڑا دیا جائے۔ دوسری صورت میں جہاں سے میں آج کام چھوڑ رہا ہوں وہیں سے شروع کروں گا۔ گویا یہ زمانہ بیماری کی رخصت میں حساب ہوگا۔ غالباً یہ تجویز سردار کو پسند آئی۔ اور اس پر عمل کیا گیا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ افغان قنصلیہ نویسوں نے کہا۔ کہ اس شخص کے نامۂ اعمال میں ایک نقطہ بھی سفید نہیں رہا۔ اس کے بعد سردار نائب السلطنت نے ہمیں خاص طور پر باریاب فرمایا۔ اور ہم اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔

استنبول مشن اور جاپانی مشن پہلے مشن کی کامیابی میں راجہ صاحب نے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دو مشن اور بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ہمارے منشاء کے مطابق استنبول بھیجا گیا اس میں ہمارے رفیق عبدالباری بی۔ اے اور ڈاکٹر شجاع اللہ مقرر ہوئے۔ یہ ایران کے راستے استنبول جائے گا۔ دوسرا مشن مولانا برکت اللہ کی تجویز پر مقرر ہوا۔ اس میں شیخ عبدالقادر بی۔ اے اور ڈاکٹر متھرا سنگھ روس کے راستے سے جاپان جائیں گے کیپٹن ہنیٹس سب سے پہلے کابل سے واپس گئے۔ امیر صاحب نے رخصت کا فرمان دے دیا۔ وہ جانے کے وقت تین سو پونڈ میرے نام چھوڑ گئے۔ راجہ صاحب نے مجھے حکم دیا کہ وصول کر لوں۔ اس میں سے ایک سو پونڈ تو راجہ صاحب اور مولانا برکت اللہ نے اپنے کپڑے تیار کرنے کے لئے لے لئے۔ اور دو سو پونڈ شیخ محمد ابراہیم کے پاس امانتاً رکھ لئے۔ شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی اور میر انتیجا عزیز احمد جس گھر میں رہتے تھے۔ اس پر رات کو ڈاکہ پڑا۔ اور وہ تمام روپیہ اور دونوں صاحبوں کے کپڑے اور سامان ڈاکو لے گئے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ راجہ صاحب اس ڈاکہ کو ہمارے روپیہ ہضم کرنے کا بہانہ تصور کریں گے۔ جب استنبول مشن جانے کا وقت آیا۔ تو اس کے لئے سو پونڈ مولانا محمد بشیر وکیل رئیس المجاہدین سے قرض لے کر ادا کر دیئے۔ مولانا محمد بشیر صاحب کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ قرض کا تو فقط نام تھا۔ اگرچہ بعد میں مرزا محمد علی نے ادا کر دیا۔ دوسرے مشن کی روانگی سے پہلے سرکاری طور پر ڈاکہ کی تصدیق ہو چکی تھی۔ اور چوروں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے پاس روپیہ کا ثبوت ہو چکا تھا اگرچہ ہمیں اس سے کچھ بھی نہیں ملا۔
اب راجہ صاحب کے کہنے سے میں مولانا برکت اللہ کے ساتھ سردار نائب السلطنت
کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس واقعہ میں روپیہ ضائع ہونے کا ذکر کیا۔ ایک
سو پونڈ کی ضرورت ظاہر کی۔ سردار صاحب نے بکمال مہربانی وعدہ فرمایا
اور شام کو خود سو پونڈ ساتھ لائے۔ اس طرح سے دوسرا مشن بھی روانہ ہو گیا

ممبروں کی گرفتاری روس نے دوسرے مشن کو جب ان کی سرحد عبور
کر چکا۔ تو گرفتار کیا۔ اور انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔
استنبول مشن کو ایران میں خود انگریزوں نے گرفتار کیا۔ چار ممبر لاہور پہنچے۔
ڈاکٹر متھرا سنگھ چونکہ ایک بم کیس میں مفرور تھا۔ اسے پھانسی پر لٹکایا گیا۔
اور باقی تین ممبر نظر بند کر دیئے گئے۔ ان میں سے عبدالباری جو ہر ایک موقع پر
ہمارے ساتھ اور نوجوانوں کی جماعت کا رئیس تھا۔ سر محمد شفیع کا رشتہ دار
نکلا۔ اسے معافی مانگنے پر راضی کیا گیا۔ اس نے تمام واقعات حکومت موقتہ
کے اور جنود اللہ اور جماعت مجاہدین کے مفصل لکھ دیئے۔ اور باقی دو ممبروں
نے اس پر دستخط کر دیئے۔ کچھ عرصہ نظر بند رکھ کر اسے چھوڑ دیا گیا۔ حکومت
ہند روسی مشن کے زمانہ سے واقعات کی تحقیق کے لئے پریشان تھی۔ اب اسے
باطمینان مفصل حالات کی اطلاع مل گئی۔

نتیجہ۔ حکومت ہند کے پروٹسٹ کا پہلا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ شیخ محمد ابراہیم اور

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مولوی محمد علی جیبیہ سکول سے معزول کر دیئے گئے۔ اور میرا بھتیجا عزیز احمد جو جیبیہ سکول کا طالب علم تھا۔ خارج کر دیا گیا۔ آج عزیز احمد کے ہم جماعت تو فضل اور نائب وزیر اور جنرل اور ممبر بن گئے۔ اور یہ باوجودیکہ علمی اور عملی لیاقت میں ان سے کسی طرح کم نہیں۔ اسی طرح جوتے چٹخاتا پھرتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنی حکومت ضائع کر کے اپنی نسلیں برباد کر رہے ہیں شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ یاغستان میں رہیں گے۔ پہلے دونوں مجاہدین میں رہے۔ پھر شیخ محمد ابراہیم حاجی ترنگزئی کے پاس چلے گئے۔ اور پشتو سیکھ کر لوگوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیتے رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد افغانستان سے گزر کر روس پہنچنے کی کوشش کی۔ راستہ میں افغانستان کے ایک گاؤں میں فوت ہو گئے۔ شبہ کیا جاتا ہے کہ ڈاکو یاغستان سے ان کے ساتھ تھے۔ اس نے شیخ صاحب کو شہید کر دیا۔ آخری وقت میں شیخ محمد ابراہیم نے دوسرے ساتھی کو ایک خط لکھ دیا۔ وہ میں نے پڑھا ہے۔ اس کے ایک لفظ سے شبہ ہوتا ہے۔ مگر شیخ صاحب سمجھانا چاہتے ہیں۔ کہ بہت ممکن ہے کہ وہ ڈاکو نہ ہو۔ بلکہ انگریزوں کا ایک کارندہ ہو۔ شیخ محمد ابراہیم نے یہ سفر انقلاب روس کے بعد شروع کیا تھا۔ مولوی محمد علی قصوری کچھ عرصہ تک مجاہدین میں رہے اور پھر کسی طرح سر عبدالقیوم کی معرفت معافی لے کر پہنچ گئے۔ اس کے بیانات سے بھی ہندوستانی گورنمنٹ کے علم میں کچھ اضافہ ہوا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہندوستانی مشن

جب یہ دونوں حضرات یاغستان جا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک ہندوستانی مشن بھی بھیجا گیا۔ (ہم جب کابل پہنچے تو اپنے دو ساتھی واپس بھیجے تھے۔ اُن کے پاس بعض کاغذات اور پیام تھے انہوں نے احتیاط اور آہستگی سے کام کیا۔ اب راجہ مہندر پرتاپ چاہتے تھے۔ کہ اُن کی اطلاع اُن کے بھائیوں کو ملے اور وہاں سے خیریت کی خبر آئے۔ اِس کے لیے ہم نے اپنے بھتیجے محمد علی کو مامور کیا۔ وہ شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ یاغستان گیا۔ اور وہاں سے منزلِ مقصود پر پہنچ کر خط پہنچا دیا۔ جواب لے کر دو مہینہ میں بخیریت پہنچ گیا۔ مگر راجہ صاحب اس سے پہلے کابل چھوڑ چکے تھے۔ اُن کا خط انہیں مزار شریف میں پہنچا دیا گیا۔ اور راجہ صاحب اِس سے بہت مسرور و ممنون ہوئے۔ اِس کے بعد راجہ صاحب ہم سے بھائیوں سا معاملہ کرتے رہے۔ اپنے پرائیویٹ اُمور میں بھی ہم سے مشورہ لیتے رہے۔ اور بسا اوقات ہماری خاطر اپنی رائے چھوڑ دیتے) اس مشن کا ایک حصّہ وہ کاغذات تھے۔ جو میں اور مولانا منصور نے حضرت مولانا شیخ الہند کی خدمت میں بطور رپورٹ لکھے تھے۔ ہم نے انہیں نوجوانوں میں سے ایک نومسلم شیخ عبدالحق پر اعتماد کیا۔ اسے کپڑے پر لکھ کر مکتوبات دیئے کہ وہ شیخ عبدالرحیم حیدر آبادی کو پہنچا دے۔ اور شیخ صاحب حج پر جائیں۔ اور حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کریں۔ اِس اللہ کے بندے نے وہ خطوط اللہ نواز خاں کے والد خان بہادر حق نواز خاں کو دیئے۔ خانصاحب نے سر مائیکل اڈوائیر کو

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پہنچائے۔ اس کے بعد کے واقعات مشہور ہیں۔ ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ ہم حیران رہ گئے۔ چند روز کے بعد حضرت شیخ الہند اور اُن کے رفقاء مکہ معظمہ سے گرفتار ہوئے۔ ایک عرصہ کے بعد ہمیں حقیقت معلوم ہوئی۔ یہ واقعات ہمارے لئے موت سے زیادہ ناگوار تھے۔ مگر ایک بات کی مسرت بھول نہیں سکتے تھے۔ اگر خدانخواستہ راجہ صاحب کا خط ہم عبدالحق کو دیتے اور ایسا معاملہ پیش آتا تو ہمارے لئے ناقابل برداشت مصیبت ہوتی۔ اب ہم خوش ہوتے ہیں کہ راجہ صاحب کا کام تو ہوگیا۔ ہمارے لوگ قید و مصیبت میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کے لئے آسانی کردے گا۔

ہماری نظربندی اور قید اس کے بعد ہندوستانی حکومت کے اعتراض کا یہ اثر ہوا۔ کہ مولانا منصور انصاری اور مولانا سیف الرحمان کابل سے یاغستان روانہ کردیئے گئے۔ جلال آباد تک دونوں ساتھ رہے۔ مولانا سیف الرحمان کو جلال آباد میں برٹش افغانوں نے اپنی معیت میں لے لیا۔ اور ہندوستانی معاملات سے علیحدگی کا وعدہ کرالیا۔ اب وہ مستوفی الممالک کا مہمان ہوکر رہنے لگے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی آخری حکومت تک وہ مستوفی کے ساتھ رہے۔ اور مستوفی کو جو کام انگریزوں کی تائید کے لئے دیا جاتا۔ اس میں اس کی امداد کرتے۔

انور پاشا کا خط۔ ہندوستانی حکومت کو اطلاع ملی۔ کہ حضرت مولانا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شیخ الہند نے ایک خط انور پاشا سے لیکر ہندوستان بھیجا ہے۔ اور وہ اکابرِ دیوبند کے پاس کہیں محفوظ ہے۔ اس لئے ہندوستان میں جس قدر کوشش ہوئی۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اب جب امیر حبیب اللہ خاں کی حکومت سے امداد لی گئی تو مستوفی الممالک نے دیوبند کے ایک پرانے طالب علم کو جو حضرت شیخ الہند سے خصوصیت رکھتا تھا۔ افغانستان میں سے ڈھونڈھ نکالا۔ اُسے دیوبند بھیجا گیا کہ اعلیحضرت امیر صاحب وہ کاغذ مانگتے ہیں۔ اس میں اگر مولانا سیف الرحمان کی واقفیت مستوفی کی امداد نہ کرتی۔ تو یہ تجویز برائے کار ہی نہ آسکتی۔ اس دیوبندی بزرگ کا پتہ بھی مولانا سیف الرحمان سے دریافت کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس بزرگ کو کچھ شکوک پیدا ہوئے۔ اس لئے خط ہاتھ نہیں آیا۔ اس کے بعد احتیاط پسند لوگوں نے وہ خط جلایا۔ مولانا منصور انصاری افغانستان سے یاغستان چلے گئے اور ایک زمانہ تک وہیں رہے۔ اس کے بعد ہمیں یکم رمضان ۱۳۳۵ھ کو ایک تنگ مکان میں لاکر قید کر دیا گیا۔ ہم لوگ بیس پچیس آدمی تھے۔ اور وہ گھر کسی حالت میں دس سے زیادہ آدمیوں کے لئے موزون نہ تھا۔ ہماری نگرانی سردار سپہ سالار کے متعلق رکھی تھی۔ انہیں ہم نے توجہ دلائی۔ اُس نے ہمارے لئے ایک سرکاری باغ میں خیمے لگوائے۔ اور عید رمضان پر خود ہمارے خیموں میں تشریف لائے۔ ایک عرصہ کے بعد ہماری نگرانی مستوفی ممالک کے سپرد کی گئی۔ اب ہم نے مولانا سیف الرحمان کی امداد سے مستوفی کے گھر رہنا شروع کر دیا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

SPOL.COM

ہمارے ساتھی اسی طرح کوتوال کی حفاظت میں رہے۔ ہمارا ایک رفیق اس مجلس سے بھاگ گیا۔ اور انقلاب روس کے بعد بخارا پہنچا۔ اس کا نام رحمت علی ذکریا ہے۔ اس نے اپنی تجویز ہمیں بتلادی تھی۔ اس کو ہم منع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور ہمیں خوف تھا کہ اس کے بھاگنے کا تمام الزام ہم پر عائد کیا جائے گا۔ اس لئے ہم نے مولانا سیف الرحمان کے توسط سے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلی مستوفی الممالک ہمیں جلال آباد لے گئے۔ ہم وہیں تھے کہ امیر حبیب اللہ خاں قتل کردیا گیا۔ اور کابل میں امیر امان اللہ خاں مستقبل بادشاہ بن گیا +

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باب پنجم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امیر امان اللہ خاں سے ہمارا تعارف

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امیر حبیب اللہ خاں بادشاہ ہوئے۔ تو سردار نائب السلطنت ولی عہد قرار پائے۔ دونوں بھائیوں کے اتفاق سے سلطنت کا کام چلتا رہا۔ جب امیر حبیب اللہ خاں کے بیٹے جوان ہوئے تو اس کی طبعی خواہش تھی کہ سردار عنایت اللہ معین السلطنت ولی عہد بنا دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے نہایت دانائی سے کام لیا۔ حرب عمومی کے بعد جب ہندوستانی مسلمانوں اور ترکوں کی طرف سے اولاً اور تمام ہندوستانیوں، ترکوں اور جرمنوں کی طرف سے ثانیاً امیر حبیب اللہ خاں پر زور دیا گیا۔ کہ وہ انگریزوں کا ساتھ چھوڑیں۔ تو امیر نے تمام اینٹی برٹش معاملات سردار نائب السلطنت کے سپرد کئے۔ اور آپ پرو برٹش معاملات کو نمٹاتا رہا۔ انگریزوں نے کافی روپیہ امیر کو دیا۔ کہ یاغستان میں تقسیم کرے۔ اور اپنی سلطنت کے نام پر قبائل افغانیہ سے بیعت نامہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حاصل کرے۔ اور پشاور میں افغانوں کو کہا جاتا۔ کہ امیر کابل جہاد کرے تو اس وقت تم بے شک جہاد میں شریک ہو جاؤ لیکن بغیر بادشاہ کے جہاد ناجائز ہے۔ اس لئے عام بدنظمی سے پرہیز کرو۔ اسی طرح حاجی ترنگزئی اور دوسرے مجاہدین کا کام رُک گیا۔ بلکہ حاجی ترنگزئی کے آدمی اور ہندوستانی مجاہدین کے کارندے سب اسی کام پر مامور ہو گئے۔ کہ وہ امیر کابل کے نام بیعت نامے حاصل کریں۔ یہ انگریزی روپیہ انہیں لوگوں کے ہاتھ یاغستان میں تقسیم ہوا۔ اسکے سرانجام دینے والے نائب السلطنت تھے۔ تمام بیعت نامے اُنکے دفتر میں محفوظ رہتے تھے۔ امیر صاحب نے اِس ترکی جرمن۔ ہندی وفد کو یہ جواب دیا۔ کہ جب تک امدادی فوجیں افغانستان نہ پہنچ جائیں اس وقت روس اور انگریز دونوں کے خلاف اعلانِ جنگ خلاف مصلحت ہے البتہ جس وقت ترکی جرمن فوج کا پیش خیمہ افغانستان پہنچ گیا۔ اسی دن اعلانِ حرب کیا جاوے گا۔ دوسری طرف روسیوں اور انگریزوں نے تمام رستے روک لئے تھے۔ اور انگریزی فوج کا عراق پر حملہ محض اس پیش قدمی کے روک لینے کے لئے تھا۔ اس دوران میں یہ بھی کہا جاتا کہ اگر روس کا خطرہ دفع ہو جائے تو سرحدی قومیں ہند پر حملہ کر سکتی ہیں۔ اس خطرہ کو معلوم کرنے کے لئے ہندی روسی وفد تجویز ہوا۔ جب روس کی قوت کمزور ہو گئی۔ اور اس مشن کی معلومات سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ روس افغانستان پر حملہ نہیں کر سکتا۔ تو نائب السلطنت کو جو لوگ ملتے تھے۔ انہوں نے اچھا وفد

لہ یعنی ڈاکٹر متھراسنگھ اور مرزا محمد علی کا وفد۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پورا کرنے کا تقاضا کیا سردار نائب السلطنت نے اعلیحضرت سے ذکر کیا۔ امیر صاحب نے جرگہ بلایا جس میں تمام فوجی افسر اور قومی بزرگ شریک تھے۔ امیر صاحب نے اس مسئلہ میں رائے طلب کی۔ تو سوائے سردار معین السلطنت کے سب نے متفقاً یہ قرار دیا۔ کہ لڑنا ضروری ہے۔ اہل شوریٰ کا اس نقطہ پر جمع کرنا سردار نائب السلطنت کی قوت کا مظاہرہ تھا۔ امیر صاحب حیران ہو گئے۔ اور اپنے شاہانہ فیصلہ سے اس کو رد کر دیا ایک معین السلطنت کیونکر امیر کا ہم خیال رہا۔ اس کی حقیقت یوں ظاہر ہوئی۔ کہ انگریزوں نے اس کو اسی شرط پر ولی عہد قبول کر لیا ہے۔ یہ عجیب بات دنیا نے گی۔ کہ حضرت صاحب چہار باغ کو جو معین السلطنت کے مرشد تھے۔ انگریزوں نے حکم سے اس خدمت کے لئے بلایا۔ اور معین السلطنت کو اپنی قومی اور مذہبی فیصلہ سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور یوں خواب سنائے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور کیا ہے۔ کہ میں اس کام کو پورا کروں۔ اس کے بعد اعلیحضرت اور سردار نائب السلطنت کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ اور افغانوں میں انقلابی آثار ظاہر ہونے لگے۔ سردار نائب السلطنت کو یقین ہو گیا۔ کہ اس کی تمام کارروائی سے مطلب میری ولایت کے فیصلہ کو انگریزوں کی تائید سے منسوخ کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے انتظامی مشن کو ذرا ڈھیلا کر دیا۔ اور سازشیں شروع ہونے لگیں۔ امیر حبیب اللہ عام بادشاہوں کی طرح اخلاقی عیوب سے پاک نہیں تھے۔ اب یہ مرض بہت ترقی کر گیا اور شرفاء کی بہو بیٹیوں پر ہاتھ دراز کرنے لگے۔ اس میں بعض عفیف عورتوں نے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عصمت دری کے بعد خودکشی کر لی۔ سردار معین الدولہ امیر امان اللہ خاں شام خوبیوں سے آراستہ تھے۔ ان کی والدہ علیا حضرت سے مخاطب تھیں معین السلطنت کا مخالفین سے ملنا اُن کا طبعی تھا جشن کی سیر میں رات کو امیر صاحب پر بالاخانہ سے گولیاں برسائی گئیں۔ مگر امیر صاحب بچ گئے۔ ابھی حرب عمومی ختم نہیں ہوئی تھی مستوفی الممالک نے اُس کا الزام سردار معین الدولہ اور اس کے رفیقوں پر لگایا۔ اس سے سردار نائب السلطنت اور سردار معین الدولہ میں اتفاق ہو گیا۔ اُن کے ساتھ محمود خاں طرزی اور سردار سپہ سالار بھی مل گئے۔ اب یہ جماعت بہت قوی ہو گئی یہ دونوں سردار معین الدولہ کے طرفدار تھے۔ اور نائب السلطنت کو پسند نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ امیر حبیب اللہ خاں کے زمانہ میں جس قدر ظلم اور داخلی نظام میں خرابیاں ظاہر ہوئیں۔ اُن کا ذمہ دار براہِ راست سردار نائب السلطنت تھا۔ اس طرح جس کا لوگ تجربہ کر چکے ہوں اس کو دوبارہ بادشاہ نہیں دیکھتے معین السلطنت ایک سادہ مزاج تھا۔ ایسے ایسے سیاسی انقلاب میں اُس پر اعتماد نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس وقت تو وہ علانیہ باپ کا طرفدار تھا سردار امان اللہ خاں کی شرکت سے انقلاب کی تکمیل میں بہت آسانی ہو گئی۔ علیا حضرت صاحبہ امیر صاحب کی خانگی زندگی پر حاوی تھی۔ امیر صاحب کو انکے واسطے سے پیغام پہنچایا گیا۔ کہ اگر وہ اپنی بداخلاقی سے باز نہ آئے تو اُن کی خیر نہیں مگر اس کا اس کے مزاج پر اُلٹا اثر ہوا۔ اس طرح یہ ڈراما سوچا گیا کہ امیر صاحب کو قتل کر دیا جائے۔ تو وہاں نائب السلطنت کو

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امیرمان میں۔ تاکہ معین السلطنت کا حق زائل ہو جائے۔ اور پھر نائب السلطنت کے مقابلہ میں امیر امان اللہ خاں آجائے۔ اور ان کو ختم کر دیا جائے۔ کئی موقعوں پر ذرا سی فروگزاشت کی وجہ سے تمام کام بگڑتا بگڑتا رہ گیا۔ لیکن خدا کو منظور نہ تھا۔ اس لئے یہ سارا معاملہ بخیر و خوبی اسی طرح انجام پذیر ہوا جس طرح سوچا گیا تھا۔ اعلیحضرت امیر امان اللہ خاں نے پہلے دن استقلال کا دعوے کیا۔ اور ہم قید و بند سے آزاد ہو گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

امیر امان اللہ خاں سے ہمارا تعارف

ہم نے بعض اشد ضرورتوں کی وجہ سے ڈاکٹر میر عزت بیگ سے ایک ہزار روپیہ ایک سال کے وعدہ پر قرض لئے تھے۔ جب یہ مدت پوری ہونے کو ہوئی۔ تو ہم مستوفی کے پاس نظر بند تھے۔ روپیہ کہیں سے لے کر ادا نہیں کر سکتے۔ اور اس عدم ادائیگی کا اثر ہمارے مستقبل پر بہت برا ہوگا۔ اسے ہم خوب سمجھتے تھے۔ ہم نے مجبوراً سردار معین الدولہ کی خدمت میں اپنی ضروریات مفصل لکھ کر عرض کیا۔ کہ مکمل بارہ سو روپیہ ایک سال کے لئے ضروری دلوایا جائے۔ یہ دو سو روپیہ زائد ہم نے آغا سید علی بخاری کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لکھے تھے۔ ایک عرصہ سے وہ بھی پشاور سے ہجرت کر آئے تھے۔ اور امیر صاحب نے انہیں ہم سے علیحدہ نظر بند کر دیا تھا جس وقت سید الاحرار مولانا محمد علی مغفور ہمیں رخصت کرنے کے لئے دہلی میں ملے آغا صاحب مرحوم ان کے پاس تھے۔ الغرض سردار معین الدولہ نے روپیہ شام کو مخفی مستوفی کے گھر پہنچا دیئے۔ اس سے پہلے ایک دفعہ سردار نے ہم کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اور مستقبل کے متعلق اشارہ کنایہ سے باتیں ہوتی رہیں۔ یہ ملاقات بھی ہمارے خاص کاموں میں سے تھی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

خدا کے فضل سے اس میں کامیاب رہے تھے۔ ہمارے متعلق مفصل معلومات سردار معین الدولہ کو سرداران محمود طرزی اور سپہ سالار سے ملتی رہتی تھیں۔ شروع میں ہم شیخ ابراہیم سے ملے تو اس نے ہمیں دولت افغانیہ کے تمام اراکین کے متعلق مفصل اطلاعات دیں۔ جب سردار نائب السلطنت اور سردار معین السلطنت کے معاملات تبلا چکے تو آخر میں کہتے ہیں کہ پس پردہ ایک اور قوت ہے جو نہایت سنجیدگی سے باقاعدہ بڑھ رہی ہے۔ اور وہ سردار معین الدولہ ہے۔ اس کے بعد اول ہماری ملاقات اُن سے نہ ہو سکی۔ مگر جب کبھی ہم اُن سے ملے تو اس طرح۔ جیسے بادشاہ ہونیوالے شہزادے سے ملنا چاہیئے جب امیر حبیب اللہ خاں جلال آباد میں قتل ہوئے۔ اس وقت ہم مستوفی کے گھر نظر بند تھے۔ اور مولانا سیف الرحمان کی زیر نگرانی رہتے تھے۔ مولانا سیف الرحمان کے کاموں سے متاہل بنا کر اُن سے معاملہ کرتے رہے۔ اس میں ہمیں بعض سخت تکلیفیں پہنچیں۔ مولانا نہیں چاہتے کہ ہمیں واقعات کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوں۔ مگر خدا کی قدرت اُڑتی چڑیا ہمارے کانوں میں بہت کچھ کہہ جاتی۔ بعض حصہ ہم فوراً سمجھ لیتے۔ بعض اوقات واقعہ گزرنے پر حقیقت منکشف ہو جاتی۔ جب جلال آباد پہنچے تو ایک ہفتہ تک ہم پریشان اور دیہات میں پھرتے رہے۔ جب اعلیحضرت امیر امان اللہ خاں کابل میں مستقل ہو گئے تو انہوں نے ہمیں جلال آباد سے طلب فرمایا۔ جب ہم دربار میں حاضر ہوئے تو مسکرا کر فرمائے "من ہمو ہستم" اس خاص ملاقات کی طرف اشارہ فرمایا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

باب ششم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اعلیحضرت امیر امان اللہ خاں کی سلطنت میں چند روز ہم نے اپنی حکومت کی ندا سی جھلک دیکھ لی جس قدر وہ اپنی وزراء کی پہلی صف پر اعتماد کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ ان کا معاملہ اسی کے قریب قریب تھا۔ ہم انکی پرائیویٹ مجلسوں میں شامل ہوتے تو جیسے وہ اپنے خاندان اور قومی بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔ ہم سے ان کا برتاؤ اسی طرح کا ہوتا۔ ہم نے کوئی مشورہ عرض نہیں کیا۔ جو قبول نہ فرمایا ہو۔ ہم نے کوئی سفارش نہیں کی جو رد کر دی گئی ہو۔ ایسی حالت میں ہم سے جو کچھ ہو سکتا تھا ہم نے سلطنت افغانستان کے مستقل و مستحکم بنانے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ یہ تمام سیاسی معاملات ابھی تک تاریخ کے درجہ تک نہیں پہنچے۔ اس لئے ہم تفصیلات نہیں لکھ سکتے۔ حضرت مولانا شیخ الہند کی وفات پر جس شان بے نظیر سے مجلس فاتحہ خوانی منعقد کی۔ وہ ایک یادگار ہے۔ میں اس تقریر کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں۔ "مولانا محمود الحسن ایک کارواں شروع کر دند من اورا پورا میکنم"۔ "راجہ مہندر پرتاپ جب یورپ سے واپس آئے اور اعلیحضرت سے خاص ملاقاتیں کر چکے تو اعلیحضرت کو

Telegram : t.me/pasbanehaq1

oot.com

آبیڈیل کنگ لکھا کرتے تھے۔ ہم نے آخر میں اعلیحضرت سے ہندوستانی تعلیم گاہ کھولنے کی اجازت مانگی تھی۔ برٹش وزیر نے افغان وزیر خارجہ کو راضی کر دیا۔ کہ ہمیں ہندوستانی یونیورسٹی کے لئے موقع نہیں دیا جائیگا لیکن اس کی قیمت ہمیں کافی مقدار میں ادا کرنی پڑی۔ اگر ہمارے رفقاء نوجوانوں کا مستقبل ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ اور حکومت موقتہ کی بعض کارروائیوں میں ہمیں ضروری شکست نہ ہوتی۔ تو ہم اعلیحضرت کی سلطنت سے شاید باہر جانے پر راضی نہ ہوتے۔ جب سے کابل میں ہم نے شیخ محمد ابراہیم کی جگہ پر مرزا محمد علی عرف احمد حسن کو اپنا شریک عمل بنایا۔ اسی وقت احمد حسن کا مددگار ظفر حسن تجویز کر لیا تھا جب احمد حسن یا محمد علی اشتراکی جماعت میں شامل ہو گیا تو ہمارا معتمد اس زمانہ میں ظفر حسن رہا۔ افغانی، انگریزی محاربہ میں ظفر حسن سردار سپہ سالار کے ساتھ ٹل کے محاذ پر تھا۔ وہاں اس کے کارنامے بہت زیادہ تحسین کے قابل سمجھے گئے۔ اور سلطنت افغانیہ اسے برائے نام خدمت کرنے پر مقرر تنخواہ دیتی رہی جس سے ہمارے کئی ہندوستانی بھائی گزارہ کرتے رہے۔ ظفر حسن کے مددگار اللہ نواز خاں مقرر ہوئے۔ جو گورنمنٹ کالج لاہور میں ظفر حسن کے ہم جماعت تھے۔ افغانی انگریزی محاربہ میں وہ ہندوستان بھی آئے۔ کابل سے رخصت ہونے پر ہم نے اپنی تمام دستاویزات ان کی تحویل میں رکھ دیئے تھے۔ کہتے ہیں کہ سقاؤ کے فتنہ میں وہ تمام کاغذات کھوئے گئے۔ ہمیں بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کاغذات برٹش حکومت کے ہاتھ آگئے ہیں۔ اللہ نواز نے سقاؤ کے مقابلہ میں خوب کام کیا۔ اس لئے افغانستان کی موجودہ حکومت میں وہ ایک معزز کارکن مانے جاتے ہیں۔ مہاجرین کی کثیر تعداد میں ہمارے بعض عزیز بھی ہم سے ملے۔ مولوی احمد علی کو ہم نے ہندوستان واپس بھیجنا ہی مناسب خیال کیا۔ منت سے ہم اسے اس پر راضی کر سکے۔ ڈاکٹر نور محمد سندھی حیدرآباد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے پہنچ گئے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ حکومتِ موقتہ کا کام جب اعلیحضرت نے روک دیا۔ تو ہم نے کابل کانگریس کمیٹی بنائی جس کا روحِ رواں ڈاکٹر نور محمد تھا۔ اس کا الحاق گیا کانگریس میں منظور ہو گیا۔ ڈاکٹر نور محمد ہمارے کانگریس کمیٹی کا افسر تھا۔ مہاتما گاندھی اور کانگریس کے نوجوان ممبر اسے جانتے تھے۔ ہمارے مکرم ڈاکٹر انصاری کانگریس کے سکرٹری تھے۔ اس لئے یہ الحاق کا مسئلہ آسانی سے طے ہو گیا۔ ہماری کانگریس کمیٹی سب سے پہلی وہ کمیٹی ہے۔ جو برٹش ایمپائر سے باہر قائم ہوئی تھی۔ تیسرے نوجوان جن کا ذکر ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ شیخ محمد اقبال شیدائی ہیں۔ میرا مولد سیالکوٹ ہے اور شیدائی بھی سیالکوٹی ہیں۔ ہم وطن کی محبت میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوئے شیدائی صاحب سے ہمارا پرانا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ اس لئے خیالات میں ہم زیادہ متفق نہ ہوتے ہوں۔ مگر عملاً ہم ایک بن گئے تھے۔ اور آگے چل کر خیالی افتراق بھی کم ہو گیا۔ میں لکھ چکا ہوں کہ شیخ محمد ابراہیم کے ساتھ میرا بھتیجا عزیز احمد پہلے پہنچ چکا تھا۔ میرے ساتھ جو تین آدمی آئے تھے۔ ان میں سے ایک میرا بھتیجا محمد علی ابن حبیب اللہ تھا۔ راجہ صاحب کے گھر پر میں نے محمد علی کو بھیجا تھا۔ اور قندھار کے محاذ پر سردار اعتماد الدولہ کی خدمت میں اس کو معین کیا تھا۔ سردار اعتماد الدولہ نے اس کی خدمات کے اعتراف میں خاص خلعت سے سرفراز فرمایا تھا۔ میرے یہ دونوں عزیز میری خاص خدمات کے متکفل رہے کھانا، کپڑا، دوا کے متعلق مجھے کسی دوسرے کی امداد کی ضرورت نہ ہوئی۔ ہماری کابل کی زندگی کے آخری ایام میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد جیل میں تھے اور ہمارے رفیقوں کو ہم سے علیحدہ کرنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ ایسے حالات میں آرام سے بیٹھ کر شاہی مہمانی کا لطف اٹھانا ناممکن تھا۔ سوویٹ الیشیا سے تعلقات کی ابتداء

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اعلیحضرت امیر امان اللہ خاں کی اجازت اور مصلحت سے بڑے کارآئی جس میں راجہ مہندر پرتاپ نے کافی حصہ لیا۔ انہیں کی تجویز پر ہمارے نوجوان آتے جاتے رہے جب ماسکو میں ہندوستانی اشتراکی جماعت قائم ہوئی اور اس کا مرکز تاشقند قرار دیا گیا۔ تو اس کے لیڈر جو بندرانا تھ رائے مقرر ہوئے جو اسے کئی سال تک چلاتے رہے۔ اس لئے ہمارے دوست بن گئے۔ اب ہم نومبر ۱۹۲۲ء میں دریائے جیحوں عبور کر کے ترمذ میں سوویٹ کارندوں کے مہمان ہوئے۔ اور دنیا کے انٹرنیشنل سیاست کا نیا مشاہدہ شروع کر دیا۔

ہم نے اپنے حالات کسی قدر اختصار سے اپنے سیاسی پروگرام کے شروع میں لکھے ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بعض واقعات زندگی عرب دوستوں کی واقفیت کیلئے عربی میں لکھے۔ مگر یہ بات ہمیشہ محسوس ہوتی رہی کہ اگر کسی قدر حالات کابل کے قیام اور وہاں سے رخصت ہونے کے متعلق مستقل تحریر نہ کریں گے۔ تو اس اختصار کو سمجھنا بہت مشکل ہوگا۔ الحمد للہ آج اس سے بھی فارغ ہوئے ✦

وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصلم وآخر دعوانا

۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ بلدۃ اللہ الحرام حارۃ الباب عبیداللہ سندھی۔

سابق ناظم جمعیۃ الانصار سابق ناظم نظارۃ المعارف دھلی ✦

ختم شد

Telegram : t.me/pasbanehaq1

Telegram : t.me/pasbanehaq1